OCTOBER 2012

کرن کتاب

عجائباتِ عالم

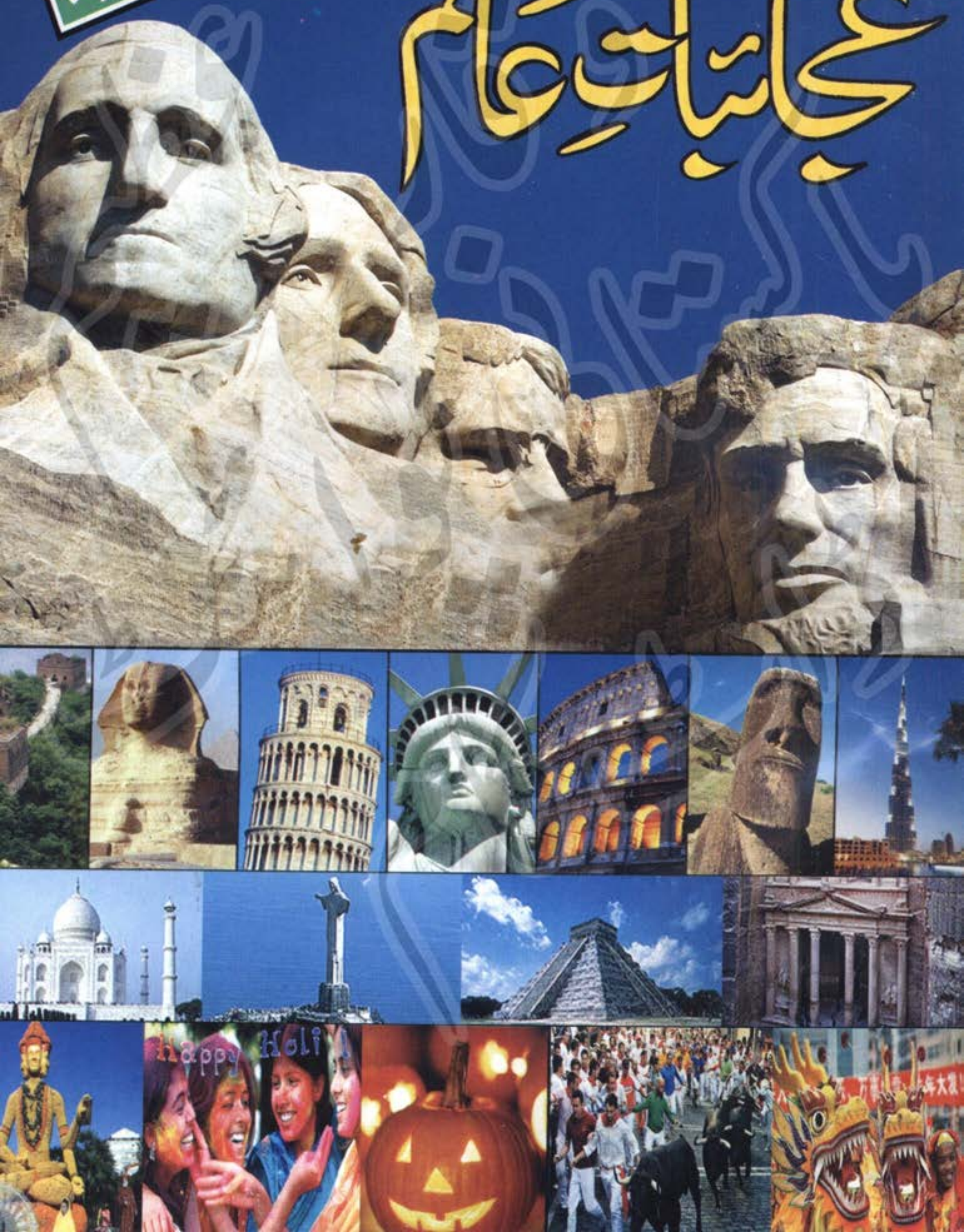

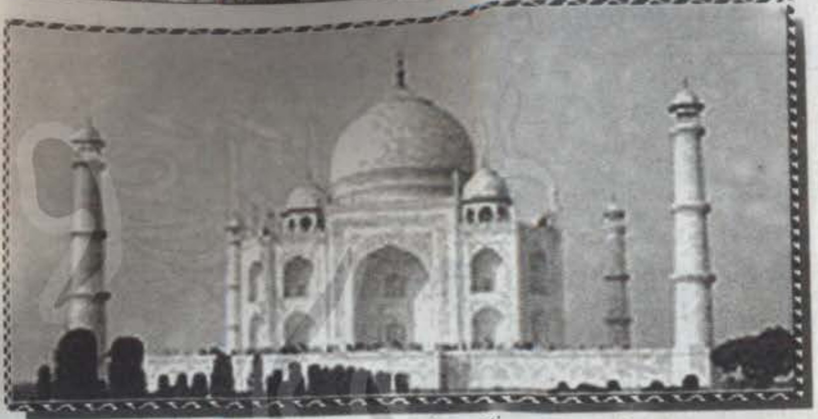

دنیا میں سیاحت کے معروف مراکز

دنیا کے سب سے زیادہ خوب صورت ممالک ہی سیاحوں کے سب سے پسندیدہ سیاحتی مقامات ہیں۔ یہ ممالک دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک بھی ہیں۔ ان ممالک کی خوب صورتی اور ترقی کی وجہ سے ہر سال سیاحوں کی ایک بڑی تعداد ان ممالک کا دورہ کرتی ہے۔

فرانس

فرانس دنیا کا سب سے زیادہ معروف سیاحتی مقام ہے۔ یہاں سالانہ 81.9 ملین سے بھی زیادہ سیاح آتے ہیں۔ پیرس جو اس کا دارالحکومت ہے اور بہت سے حیران کن پرکشش مقامات کا حامل شہر ہے، وہیں اس کے مشہور مقامات ایفل ٹاور اور Louvre ہیں، جنہیں سیاح بہت شوق سے دیکھنے آتے ہیں۔ انہی پرکشش مقامات کے باعث فرانس میں سب سے زیادہ سیاح پیرس آتے ہیں، تاریخی اور تعلیمی مقامات کے لحاظ سے فرانس ایک امیر ملک ہے۔

اسپین

اسپین جو کہ Iberain جزیرہ نما میں واقع ہے، کبھی دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور ملک ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ یہ امیر ثقافتی ورثے اور تاریخی مقامات کا حامل ہے۔ یہ دنیا کے سب سے زیادہ سیاحوں کی آمد و رفت والے ممالک میں سے ایک ہے۔ یہاں ہر سال 59.1 ملین سیاح آتے ہیں، اسی وجہ سے یہ دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔ بارسلونا اور میڈرڈ اس کے وہ اہم ترین شہر ہیں جہاں سیاح سب سے زیادہ آتے ہیں۔

امریکا

متحدہ ریاست ہائے امریکا کو جمہوریت کی ماں بھی کہا جاتا ہے۔ اس ملک میں حال ہی میں آنے والے معاشی بحران کے باوجود سیاحوں میں مقبول ترین ممالک میں اس کا تیسرا نمبر ہے۔ یہاں ہر سال 55.9 ملین سیاح آتے ہیں۔ اس ملک میں سب سے زیادہ سیاحوں کی آمد نیویارک شہر میں ہوتی ہے۔

چین

چین دنیا کا سب سے زیادہ تیزی سے ترقی کرنے والا ملک ہے اور جلد ہی دنیا کا امیر ترین ملک بھی ہوگا۔ یہ بھی دنیا کے ان چند سیاحتی ممالک میں سے ایک ہے جہاں سیاحوں کی کثیر تعداد آتی ہے۔

بیجنگ اس ملک کا دارالحکومت ہے۔ اس ملک میں آنے والے زیادہ تر سیاح بیجنگ کی سیر ضرور کرتے ہیں۔ سالانہ 54.7 ملین سیاح اس ملک کا دورہ کرتے ہیں۔

اٹلی

اٹلی کا دارالحکومت روم ہے جو کہ عیسائیت کا مرکز ہے۔ ویٹیکن سٹی روم میں ہی واقع ہے۔ یہ مکمل طور پر روم سے منسلک ہے۔ St. Peters's Basilica کیتھولک کے مقدس مقامات میں سے ایک مشہور مقام ہے۔ عیسائی یہاں عبادت کے لیے آتے ہیں اور یہ ان کا بہت اہم مقام ہے۔ ہر سال اس ملک میں 43.6 ملین سیاحوں کی آمد ہوتی ہے۔

جرمنی

جرمنی ایک یورپین ملک ہے۔ یہ ملک دنیا کے سب سے زیادہ اہم تاریخی ممالک میں سے ایک ہے۔ اس ملک کے تاریخی ہونے کی ایک وجہ یہاں ہونے والی جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوئم ہے، برلن، میونخ اور فرینکفرٹ اس ملک کے ایسے شہر ہیں، جہاں سب سے زیادہ سیاح آنا پسند کرتے ہیں۔ سالانہ 24.4 ملین سے زیادہ افراد اس ملک کا دورہ کرتے ہیں۔

برطانیہ

یو کے کا مکمل نام اقوام متحدہ سلطنت برطانیہ (United Kingdom of Great Birtain) ہے اور ایک شمالی آئرلینڈ ہے۔ یہ ملک دنیا کے ان چند باقی رہ جانے والے ممالک میں سے ایک ہے جہاں آئینی بادشاہت کا نظام رائج ہے۔ یہاں ہر سال 30.6 ملین سیاح آتے ہیں۔ اس کا دارالحکومت لندن ہے جو کہ سیاحوں کے لیے ایک پرکشش مقام ہے اور اس ملک میں آنے والے اکثر سیاح اس شہر کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔

یوکرائن

یوکرائن جو کہ ایک بہت چھوٹا ملک ہے لیکن اس حقیقت کے باوجود اس کا شمار دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے جہاں سیاح سب سے زیادہ آتے ہیں۔ یہ ملک 1991ء میں آزاد ہوا۔ ہر سال 23.1 ملین سیاح اس ملک کا سفر کرتے ہیں۔

ترکی

ترکی ایک منفرد ملک ہے کیونکہ اس کا ایک حصہ یورپ میں ہے تو دوسرا حصہ ایشیا میں۔ انقرہ اس کا دارالحکومت ہے تو استنبول اس کا سب سے بڑا شہر۔ ترکی کے ان دونوں شہروں میں سیاحوں کی آمد سب سے زیادہ رہتی ہے۔ ترکی ہر سال 22.2 ملین افراد کی میزبانی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ ملک دنیا کے سب سے زیادہ سیاحوں کی آمد و رفت والے ممالک میں سے ایک ہے۔

میکسیکو

میکسیکو ایک شمالی امریکی ملک ہے جو کہ دنیا کا 11 واں سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے۔ اس کا دارالحکومت میکسیکو شہر ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ یہ شہر دنیا کے 10 آلودہ ترین شہروں میں سے ایک ہے، دنیا بھر میں سیاح سب سے زیادہ اسی ملک کی سیر کو جانا پسند کرتے ہیں۔ ہر سال 21.4 ملین لوگ اس ملک کا دورہ کرتے ہیں۔

دنیا کے عظیم حیرت کدے

Machu picchu

پیرو کے علاقے کیوز میں واقع یہ کھنڈر نما شہر

ایک پہاڑ کے اوپر آباد ہے جس تک پہنچنے کے لیے ٹرین کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے یا پھر چار دنوں تک مسلسل پہاڑ پر ''ٹریکنگ'' کرنی پڑتی ہے۔ یہاں پر پراسرار دیواریں 1508ء میں ایسے لوگوں نے بنائیں جن کے بارے میں تفصیلات بتانے سے تاریخ ابھی تک قاصر ہے۔ تاہم ایک بات واضح ہے کہ ان لوگوں کا تعلق ایسی انسانی تہذیب سے تھا جو کسی ناگہانی آفت کے نتیجے میں کسی وقت اچانک صفحۂ ہستی سے مٹ گئی اور تاریخ کے اوراق میں جگہ پانے سے محروم رہی۔ اپنی نشانی کے طور پر یہ لوگ ان دیواروں کو چھوڑ گئے ہیں جو آج بھی انسانوں کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کرتی ہیں۔ ماہرین آثاریات کا کہنا ہے کہ بیس سے تیس ہزار افراد نے دن رات کی مسلسل محنت کے بعد ان دیواروں کو استوار کیا اور ان کی تعمیر میں ایک خام اندازے کے مطابق 60 سال سے زیادہ عرصہ لگا۔ ان دیواروں میں پتھروں کو اس انداز میں ایک دوسرے سے جوڑ کر لگایا گیا ہے کہ ان کے درمیان معمولی سا بھی خلا موجود نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان میں آج پانچ سو سال گزرنے کے باوجود ان پتھروں کے درمیان گھاس تک نہیں اگ سکی اور نہ ہی یہ پتھر اپنی جگہ سے معمولی سا بھی ہلے ہیں۔ یہ شہر "Lost City of Incas" کے نام سے مشہور ہے اور اس کو 1983ء میں یونیسکو نے عالمی ورثہ قرار دیا۔ 2007ء میں Machu Picchu کو دنیا کے سات نئے عجائبات میں بھی جگہ دی گئی ہے۔

اہرام غزہ

تین ہزار برس گزر جانے کے باوجود ہم ابھی تک یہ درست اندازہ نہیں لگا سکے کہ مصریوں نے ان اہراموں کو اس بہترین انجینئرنگ کے ساتھ کیسے بنایا تھا جو آج کے جدید علوم کو بھی شرما دے۔ یہ اہرام ستاروں اور کہکشاؤں کی پوزیشن دیکھ کر بنائے گئے ہیں اور ان میں ابھی تک بے شمار ایسے چیمبر اور کمرے موجود ہیں جہاں انسان ابھی تک نہیں پہنچ سکا۔ یہ بلاشبہ انسانی عقل و دانش کا بہترین نمونہ ہیں اور بادشاہوں کی شان کے عین مطابق ہیں۔ یوں تو مصر میں موجود سبھی اہرام عجائبات عالم میں شمار ہوتے ہیں تاہم ان میں سے سب سے بڑا اور قدیم ترین اہرام غزہ کا اہرام ہی مانا جاتا ہے۔ اس اہرام میں مصریوں کے عظیم بادشاہ خوفو کی ممی موجود ہے۔ دریائے نیل کے کنارے کنارے چالیس کے قریب اہرام موجود ہیں۔ لیکن خوفو کے اہرام کے مقابلے میں سبھی ہیچ ہیں۔ یہ 450 فٹ اونچا ہے اور تقریباً تیرہ ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ اسے بہت نفاست کے ساتھ کٹے ہوئے پتھروں کی مدد سے بنایا گیا ہے۔ ان پتھروں کی کل تعداد 23 لاکھ ہے جبکہ ان میں سے ہر پتھر کا وزن دو سے پندرہ ٹن کے درمیان ہے۔ نپولین کے ماہرین تعمیرات نے اس عجوبے کو دیکھا تو ششدر رہ گئے تھے۔ انہوں نے حساب لگایا کہ جتنا سامان اس اہرام کی تعمیر میں استعمال کیا گیا تھا، اس سے فرانس کے گرد ایک دیوار تعمیر کی جاسکتی ہے جو تین گز اونچی اور ایک گز چوڑی ہو۔ یہ اہرام سیاحوں کی خصوصی توجہ کا مرکز ہیں اور ہر برس لاکھوں افراد ان شاہکاروں کو دیکھ کر انسانی عقل و فن کے معترف ہو جاتے ہیں۔

Angkor wat

یہ قدیم شہر کمبوڈیا میں واقع ہے جو بارہویں صدی کی وسیع و عریض سلطنت ''خمیر'' کا دارالخلافہ تھا۔ یہ ریاست تو کب کی ختم ہوگئی لیکن اس دور میں بنائے گئے ہزاروں برس پرانے حیرت انگیز مندر اور دیگر عمارات آج بھی جنگلوں میں موجود ہیں۔ یہاں پر ہندوؤں کے مندروں کا سب سے بڑا کمپلیکس موجود

ہے جس کی نظیر پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ یہاں کی عمارتوں کا طرز تعمیر بہت منفرد ہے جو کہ پہاڑ کے بھاری بھرکم پتھروں کو کاٹ کر بنائی گئی ہیں۔ ان کی دیواروں پر دیوی دیوتاؤں اور بھگوانوں کی تصاویر کندہ ہیں اور لاتعداد مجسمے بھی موجود ہیں۔ اس شہر کو 1992ء میں عالمی ورثہ قرار دے دیا گیا تھا۔

سٹی آف پیٹرا

اردن میں موجود یہ شہر بھی انسان کی حیرت انگیز تخلیقی صلاحیتوں کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس شہر کی عمارتوں کو چٹانوں میں تراش کر تیار کیا گیا ہے۔ اس مقام پر تمام پہاڑ گلابی رنگت کے ہیں، اس لیے سورج کی کرنیں پڑتے ہی ہزاروں برس پرانے اس شہر کے در و بام روشنیوں سے بھر جاتے ہیں۔ 1812ء میں دریافت ہونے والے اس مقام کی تاریخ چھٹی قبل مسیح سے جا ملتی ہے جو کہ سلطنت روم کے زمانے میں معاشی مجبوریوں کے تحت باشندوں نے خالی کر دیا تھا۔ ''سٹی آف پیٹرا'' اب یونیسکو کے زیر اہتمام ایک عالمی ورثہ قرار دیا جا چکا ہے اور حالیہ دنوں میں اس کو دنیا کے سات نئے عجائبات میں شامل کر لیا گیا ہے۔ سیاحوں کی ایک بڑی تعداد اس قدیم شہر کو دیکھنے اردن کا رخ کرتی ہے۔

اسٹون ہنج

انگلینڈ میں واقع یہ مقام عجیب و غریب پتھر کے مجسموں سے اٹا پڑا ہے۔ تین ہزار برس پرانے ان پتھر کے مجسموں کے لیے پتھر ''ویلز'' سے لائے گئے تھے۔ ان کو ایک دائرے کی صورت میں کھڑا کیا گیا ہے۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ ان کی تعمیر تین ہزار برس قبل مسیح میں ہوئی۔ یہ بھی قیاس کیا جاتا ہے کہ شاید ''اسٹون

ہنج'' کو قبرستان کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور یہاں کھدائی کے ذریعے کچھ ایسے نباتات ملے ہیں جن سے گمان ہوتا ہے کہ یہ انسانی ہڈیوں کے باقیات ہیں۔ یہ مقام بھی اب یونیسکو کے عالمی ورثے میں شامل کرلیا گیا ہے۔

ایسٹر آئی لینڈ

چلی کے ساحل سے تقریباً 3,600 کلومیٹر کی دوری پر واقع جزیرہ ''ایسٹر لینڈ'' دنیا کی قدیم ترین آبادیوں میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن اب یہاں کوئی نہیں رہتا۔ اس جزیرے سے متعلق سب سے نمایاں بات جو آج بھی سیاحوں اور ماہرین آثاریات کو ورطہ حیرت میں مبتلا کردیتی ہے، وہ یہاں کھلے میدانوں میں کھڑے پتھر کے بلند قامت بت ہیں جنہیں ''موئی'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بت مجموعی طور پر چھ سو کی تعداد میں جزیرے میں ایک میل کے رقبے میں پھیلے ایک میدان میں موجود ہیں۔ ان میں سے سب سے دراز قد بت 65 فٹ لمبائی کا ہے جبکہ اس کا وزن 270 ٹن سے زیادہ ہے۔ آتش فشانی کے عمل سے وجود میں آنے والے اس جزیرے پر موجود یہ بت لاوے کے سخت ہوجانے والے ٹکڑوں ہی سے بنائے گئے ہیں اور ایسی اعلا مہارت سے ان کی تعمیر کی گئی ہے کہ جو اس قدیم ترین آبادی کے بارے میں ماہرین آثاریات کو کئی طرح کے مفروضات قائم کرنے کی طرف راغب کرتی ہے۔ مثلاً یہی کہ اس جزیرے پر بھی آباد لوگ غیر معمولی طور پر ترقی یافتہ تھے اور انہوں نے فنِ تعمیرات میں نہایت کمال حاصل کرلیا تھا۔ یہاں رہنے والے لوگوں کے بارے میں ماہرین آثاریات کے مفروضات اس بنا پر بھی غیر معمولی ہوجاتے ہیں کہ اس ویران جزیرے سے اس بات کے واضح آثار ملے ہیں کہ یہاں آباد لوگ آدم خور تھے اور ان کے ختم ہوجانے کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی کہ وہ ایک دوسرے کو ہی کھا گئے تھے۔

پارتھینون

یونان میں موجود اولین ترقی یافتہ انسانی تہذیب کا ایک شاہکار پارتھینون ہے جو کہ عبادت گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس عمارت کو ایتھنز کے جاہ جلال کی نشانی بھی قرار دیا جاتا ہے جو کہ اس نے ایک زمانے میں عالمی سطح پر حاصل کی تھی۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں تعمیر ہونے والے اس عبادت خانے کو خزانہ رکھنے کے تصرف میں بھی لایا جاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ جنگوں اور چوروں نے اس عمارت اور اس کی ملحقہ عمارتوں کی تباہی میں اہم کردار ادا کیا لیکن خوش قسمتی سے پارتھینون کی عمارت ابھی تک کھڑی ہے۔

حیرت انگیز اور انوکھی تعمیرات کے شاہکار ریستوران

کسی بھی ریستوران میں قیام کرنے والے شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسے ریستوران میں ہر طرح کی سہولت میسر ہو۔ اس حوالے سے فائیو اسٹار اور تھری اسٹار ہوٹلوں میں قیام کرنے والوں کو بہترین اور غیر معمولی جدید سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ لیکن دنیا میں بہت سے ایسے ریستوران بھی موجود ہیں جو اپنے طرز تعمیر اور محل وقوع کے لحاظ سے انتہائی منفرد، انوکھے اور حیرت انگیز ہیں، جن کو دیکھنا یا ان میں ٹھہرنا مسافروں کے لیے ایک نہایت دلچسپ اور انوکھا تجربہ ہوتا ہے، آیئے سیاحوں کی دلچسپی کے مرکز دنیا کے چند شاہکار ریستورانوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ریت سے بنا ہوا ریستوران

برطانیہ کے جنوبی ساحل پر ریت سے ایک حیرت انگیز ریستوران تعمیر کیا گیا ہے جس کی تعمیر میں ایک

ہزار ٹن ریت استعمال ہوئی ہے۔ اس حیرت انگیز ریستوران کو چار مجسمہ سازوں کی ٹیم نے روزانہ 14 گھنٹے کام کرکے 7 روز میں تعمیر کیا ہے۔ ریستوران میں تمام کمرے اور بستر ریت سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ لیکن بارش اس ہوٹل کو چند لمحوں میں برباد کرسکتی ہے۔ اس ریستوران کی چھت نہیں ہے اس وجہ سے یہاں رات کو ٹھہرنے والے لوگ ریت سے بنے بستر پر لیٹ کر آسمان پر چمکتے چاند اور ستارے دیکھ کر لطف اندوز ہونے کے ساتھ مظاہر قدرت کا یکسوئی کے ساتھ مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ اس ریستوران کے مالک کا نام مارک اینڈرسن ہے جس کا دعوا ہے کہ یہ ریت سے بنی ہوئی برطانیہ کی سب سے بڑی عمارت ہے۔

تیرنے والا ریستوران

سوئیڈن میں ایک انوکھا تیرنے والا ریستوران ''سالٹ این سل'' واقع ہے جو سوئیڈن کے جنوب میں ''کلیڈ زیبولیمن'' نامی جزیرے میں بنایا گیا ہے اس کی تعمیر کا آغاز اکتوبر 2008ء میں ہوا تھا۔ یہ ایک ماحول دوست ریستوران ہے، جس میں لوگ کھلی فضا میں بیٹھ کر ہوٹل کی سہولتوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ ہوٹل دو منزلوں پر مشتمل ہے، اس ریستوران کے کمروں کے فرش پر گرینائٹ لگایا گیا ہے اور ان کمروں کو اعلا ترین فرنیچر سے سجایا گیا ہے اس تیرنے والے ریستوران میں مہمانوں کو "Sea Food" سے بنائے گئے کھانے کھلائے جاتے ہیں جبکہ ریستوران میں ایک میٹنگ روم اور کانفرنس ہال بھی بنایا گیا ہے۔

برف سے بنایا گیا ریستوران

کینڈا میں واقع ''ہوٹ دی گلیس'' نامی

ریسٹوران مکمل طور پر برف سے بنایا گیا ہے۔ یہ حیرت انگیز برفانی ہوٹل کینیڈا کے شہر ''مونٹریال'' سے 149 میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اس کی خاص بات یہی ہے کہ اسے صرف برف سے ہی بنایا گیا ہے۔ ریسٹوران کے تمام کمرے، ستون اور آرائشی اشیاء برف سے تراشی گئی ہیں۔ اس ریسٹوران کی سیر اور اس میں قیام کے لیے سب سے اچھا وقت 4 جنوری سے 4 اپریل تک ہے۔ کیونکہ یہاں سردی کے موسم میں برفانی ریسٹوران کا اندرونی درجہ حرارت منفی 13 سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔ برف سے بنے ہوئے اس انوکھے اور خوب صورت ریسٹوران میں اکثر فلم اور ٹی وی پروڈکشن کی شوٹنگ۔ شادیاں، سیمینار، آرٹ کی نمائشیں اور مختلف کمپنیوں کی تقریبات منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ جبکہ اس حیرت انگیز برفانی ریسٹوران کو دیکھنے کے لیے ہر سال دنیا بھر سے سیاح بڑی تعداد میں کینیڈا آتے ہیں۔

کیپسول ریسٹوران

جاپان میں ایک جدید طرز کا ''کیپسول ریسٹوران'' بنایا گیا ہے جو نہایت کم خرچ میں ایک شخص کے سونے کے لیے کافی ہے، یہ ہوٹل اپنی ساخت کے لحاظ سے نہایت ہی انوکھا اور حیرت انگیز ہے کیونکہ جس طرح مرغے، مرغیوں اور دوسرے پالتو پرندوں کی رہائش کے لیے ڈربے بنائے جاتے ہیں بالکل اسی طرح انسانوں کے لیے یہ کیپسول نما ریسٹوران بنایا گیا ہے جس میں انسانوں کے لیے ڈربے بنائے گئے ہیں جن کی ساخت ایک دراز کی طرح ہے جس میں ایک وقت میں صرف ایک ہی شخص سو سکتا ہے۔ ریسٹوران کے کمرے اور دروازے لکڑی یا لوہے کی بجائے شیشے سے بنائے گئے ہیں اور شیشے سے بنے ہوئے اس کیپسول ریسٹوران میں دیگر بڑے ہوٹلوں جیسی تمام سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ لیکن کمروں میں کھانا کھانا اور سگریٹ نوشی ممنوع ہے۔ ان کمروں کی چوڑائی ایک میٹر اور لمبائی دو میٹر ہے۔ اس طرز کے بنے ہوئے ہوٹل جاپان میں بہت تیزی کے ساتھ مقبول ہو رہے ہیں اور اب کئی جگہ پر ایسے ہوٹل تعمیر کیے جا رہے ہیں۔

جنگل میں بنایا گیا ریسٹوران

میکسیکو کے جنگل میں پہاڑوں اور درختوں کے درمیان لوہے کے ڈھانچے پر مشتمل ایک مضبوط اور خوب صورت ہوٹل ''جنگل ہوٹل'' کے نام سے بنایا گیا ہے۔ جس کے کمرے نہایت آرام دہ ہیں۔ یہ ہوٹل چھٹیاں گزارنے کے لیے ایک بہترین جگہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں چھٹیوں کے زمانے میں بہت مشکل سے کمرے کرائے پر ملتے ہیں اور کافی پہلے سے اس ہوٹل میں کمرے بک کروانے پڑتے ہیں۔ یہ ہوٹل زمین سے کافی بلندی پر بنایا گیا ہے۔ جس کا ہر کمرہ بہت دلکش ہے۔ لیکن اس ہوٹل میں رہنے والوں کو تمام اشیاء لینے کے لیے خود نیچے آنا پڑتا ہے۔ چونکہ یہ ہوٹل مسافروں اور سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن چکا ہے اس وجہ سے اس ہوٹل سے نیچے ایک بڑا بازار قائم ہو گیا ہے جہاں ضرورت کی تمام اشیاء با آسانی خریدی جا سکتی ہیں۔ اپنی وضع قطع اور محل وقوع کے لحاظ سے یہ ایک انوکھی اور دلچسپ جگہ ہے جہاں آنے والوں کو بھرپور تفریح اور مہم جوئی کے مواقع ملتے ہیں۔

غار ریسٹوران

یہ ریسٹوران ترکی میں کیپی ڈوشیا کی پہاڑیوں میں ایک غار میں بنایا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اسے ''غار ہوٹل'' کہا جاتا ہے۔ یہاں آنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ زمانہ قدیم کے کسی دور کے

عجائباتِ عالم

باسی ہیں جب لوگ عام طور پر پہاڑوں میں غاروں کے اندر رہا کرتے تھے۔ ترکی میں کیپی ڈوشیا کے پہاڑوں کے اندر بنے ہزاروں سال پرانی قدیم غاروں کو تمام ضروری اشیاء سے مزین کر کے انہیں ایک بہت ہی خوب صورت ہوٹل کی شکل دی گئی ہے۔ 6 غاروں پر مشتمل اس ''غار ہوٹل'' میں تیس کمرے ہیں جہاں سہولتوں اور آرام کا ہر ممکن اہتمام کیا گیا ہے۔ اس غار ہوٹل کے قریب ایک اوپن ایئر عجائب گھر، شاپنگ سینٹر، ریسٹورنٹ اور مذہبی مراکز بھی قائم ہیں۔ جبکہ ہوٹل کے ہر کمرے کے ساتھ باتھ روم کی سہولت بھی فراہم کی گئی ہے۔

پانی میں ریسٹوران

امریکا میں ''فجی'' کے ایک پرائیویٹ جزیرے میں پانی کے اندر 40 فٹ گہرائی میں ایک انوکھا ریسٹوران تعمیر کیا گیا ہے جس کے اندر ایک سرنگ سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ یہاں قیام کرنے والے سیاحوں کو فائیو اسٹار ہوٹلوں جیسی تمام سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ یہ دنیا کا واحد ریسٹوران ہے جہاں سیاح پانی کے اندر چالیس فٹ کی گہرائی میں اپنے دن رات گزارتے ہیں۔ اس ہوٹل میں گیسٹ روم، لائبریری، کانفرنس روم، مساج سینٹر اور شادی کے لیے گرجا گھر بھی بنایا گیا ہے۔

درخت پر ریسٹوران

بھارتی ریاست ''کیرالا'' میں غریب عوام کی فلاح و بہبود کے پیش نظر اب درختوں پر ہوٹل بنایا گیا ہے جسے "Tree House" یا درخت ہوٹل کہا جاتا ہے۔ اس ہوٹل کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس ہوٹل سے حاصل ہونے والی آمدنی کی رقم اس علاقے کے غریبوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ اس ہوٹل کے کمرے زمین سے ایک سو فٹ کی بلندی پر درختوں کے درمیان بنائے گئے ہیں۔ اس ہوٹل میں پانی کا جدید نظام موجود ہے جس کی وجہ سے ایک سو

فٹ کی بلندی پر بھی باورچی خانے اور غسل خانوں میں بآسانی پانی پہنچ جاتا ہے، اس ہوٹل تک پہنچنے کے لیے لکڑی کی ایک بہت بڑی سیڑھی بنائی گئی ہے جس پر چڑھ کر اس ہوٹل میں جایا جاتا ہے، اس ہوٹل کا مالک ''بابودرگا'' ہے جس نے اپنے خوابوں کو حقیقت کا رنگ دینے کے لیے یہ ہوٹل بنایا ہے کیونکہ اس کی شروع سے یہی خواہش تھی کہ وہ کیرالا کے غریبوں کے لیے کوئی فلاحی کام کرے اور یہ درخت ہوٹل بنا کر اس کی یہ خواہش پوری ہوگئی ہے۔

جیل بنی ریستوران

جرمنی میں ایک جیل کو "Alcatraz Hotel" میں تبدیل کیا گیا ہے، یہ ہوٹل باہر سے اب بھی ایک جیل کی طرح ہی دکھائی دیتا ہے۔ جس کی بیرونی دیواروں پر خاردار تاریں لگی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے اس ہوٹل کو ''جیل ہوٹل'' کا نام دیا گیا ہے جہاں آنے والوں کو سلاخوں کے پیچھے بیٹھ کر کھانا کھانا پڑتا ہے اور رات بھی سلاخوں والے کمرے ہی میں گزارنی پڑتی ہے۔ یہ جیل جرمنی کے مغربی شہر ''کیسرزلائرین'' میں واقع ہے۔ یہ جیل اندر سے اتنی خوب صورت اور آرام دہ بنائی گئی ہے کہ یہاں قیام کرنا سیاحوں کی اولین ترجیح بن گئی ہے، اس جیل ہوٹل کے دروازوں پر اسی طرح نمبر لکھے ہوئے ہیں جس طرح جیل کے دروازوں پر لکھے جاتے ہیں۔ اس ہوٹل میں رات کو رہنے والوں کو سوتے وقت وہی لباس دیا جاتا ہے جو جیل میں سزا بھگتنے والے قیدیوں کو پہنایا جاتا ہے۔

2675ق م-2610ق م

غزہ میں اہراموں کی تعمیر

غزہ (مصر) کے تین بڑے اہرام صحرا میں سینہ تانے اس طرح کھڑے ہیں جیسے تین سنتری کھڑے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں۔ وہ یہ فرض گزشتہ تقریباً پونے پانچ ہزار سال سے ادا کررہے ہیں۔ لگتا ہے یہ تینوں وقت کو شکست دینے کی کوشش میں ہیں جیسا کہ اتنے طویل عرصہ کے بعد بھی وقت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ یہ تینوں آج بھی اسی مضبوطی سے اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں جیسے اپنی تعمیر کے وقت تھے۔ ان تینوں میں جو اہرام سب سے بڑا ہے۔ اس میں فرعون ''خوفو'' کی ممی محفوظ ہے۔ خوفو کو یونانی زبان میں ''کیوپس (Cheops)'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ عظیم اہرام قدیم دنیا کے ان سات عجائبات میں سے بقیہ ایک عجوبہ ہے جن میں سے چھ وقت کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ یہ عظیم اہرام چونے کے پتھر اور گرینائٹ کے بلاکوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کی تعمیر میں کم از کم بیس لاکھ پتھر کے بلاک استعمال ہوئے ہیں جن میں سے کچھ کا وزن پندرہ ٹن سے بھی زائد ہے۔ اپنی بنیاد سے یہ ہرم تقریباً 147 میٹر یا 480 فٹ بلند ہے۔ اگر ہم غور کریں تو یہ بات بڑی حیران کن معلوم ہوگی کہ اتنے قدیم زمانے میں اس قدر بلندی پر پتھر کے 15 ٹن وزنی بلاک کیسے پہنچائے جاتے تھے؟

یہ اہرام فراعنہ مصر کی تاریخ کے قدیم بادشاہت والے دور میں چوتھے خاندان کے فراعنہ نے تعمیر کرائے تھے۔

قدیم بادشاہت 2686 ق م سے لے کر 2181 ق م تک تیسرے چوتھے پانچویں اور چھٹے خاندانوں کے زمانے پر مشتمل ہے۔ قدیم بادشاہت کا زمانہ شان و شوکت کی پانچ صدیوں تک وسیع ہے۔ اس زمانے کے مصر میں زندگی کے ہر گوشہ میں ترقی ہوئی۔ خصوصاً آرٹ کو تو قابل رشک حد تک فروغ حاصل ہوا۔ مجسمہ سازی اس کمال کو پہنچی کہ بعد کے زمانے اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر رہ گئے۔

اہرام بھی اس زمانے میں فن تعمیر کے لحاظ سے انتہا کو پہنچے۔

چوتھے خاندان کے دوسرے حکمران خوفو نے جب 2675ق م میں اپنے عظیم ہرم کی تعمیر کا آغاز کیا تو اس کام پر ایک لاکھ سے زائد مزدور اور کاریگر لگائے۔ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ ایک ایک لاکھ مزدوروں (غلاموں) کا ایک گروپ تین ماہ کے لیے کام کرتا تھا۔ ہر تین ماہ کے بعد یہ گروپ بدل جاتا۔ یوں دارالحکومت ممفس سے ہرم تک جانے والی شاہراہ کی تعمیر پر دس سال کا عرصہ لگا۔ اس کے بعد ہرم کی تعمیر میں مزید بیس سال لگے۔

مصریات کی ایک جدید محقق و مورخ ڈاکٹر مارگریٹ مرے لکھتی ہیں کہ وہ تین مہینے جب معماروں کو اہرام کی تعمیر کے کام پر لگایا جاتا۔ نیل کی طغیانی کے مہینے ہوتے تھے۔ ان مہینوں میں مصر میں کھیتوں میں زراعت کے تمام کام معطل ہو کر رہ جاتے اور کاشتکار بے کار ہو کر بیٹھ جاتے۔ ایسے میں خوفو نے اپنی رعایا کی بھلائی کے لیے عظیم ہرم کی تعمیر کا آغاز کیا جس سے سال کے خراب ترین مہینوں میں ایسا روزگار میسر آتا جو کھیتی باڑی سے بھی زیادہ بارآور تھا۔

خوفو کی طرح اس کا جانشین ''خافرا'' بھی اپنی تعمیر کردہ عمارات اور اپنے ہی مجسموں کی وجہ سے عالمی شہرت رکھتا ہے۔ یہ امر بھی فرعونوں میں مشترک ہے کہ ان دونوں سے مصر کا مذہبی طبقہ یعنی پروہت بے زار تھے۔ ہیروڈوٹس کو اس کی سیاحت مصر کے دوران پروہتوں نے بتایا کہ ان دونوں فرعونوں کے عہد میں مندروں پر تالے پڑ گئے اور کسی کو دیوتاؤں کی پرستش کرنے کی اجازت نہ رہی تھی۔ ہیروڈوٹس نے اپنی سیاحت ہی کے دوران خافرا کے اہرام کے دروازے پر مصری زبان میں نصب ایک کتبہ دیکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ ہرم کی تعمیر کے دوران معماروں اور مزدوروں کے لیے جو مولیاں، پیاز اور لہسن روزانہ فراہم کیا جاتا تھا اس پر سولہ سو ٹیلنٹ (تقریباً ڈھائی لاکھ روپیہ) کا خرچہ اٹھتا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب صرف لہسن پر سولہ سو ٹیلنٹ چاندی کا خرچہ اٹھتا تھا تو تعمیر کے دیگر اخراجات کتنے وسیع ہوں گے۔

باقی دو اہراموں کی طرح غزہ کا تیسرا اہرام بھی چوتھے خاندان ہی کے فرعون منکورا (Myceriuns) نے تعمیر کرایا تھا۔ ہیروڈوٹس کے بقول منکورا ایک عدل پسند اور منصف مزاج فرعون تھا۔ اس نے اپنے پیش روؤں کے عہد میں بند ہوجانے والے مندروں کے دروازے کھلوادیے اور لوگوں کو دیوتاؤں کی پرستش کی اجازت دے دی تھی۔ اس طرح وہ پروہتوں کے دل بھی جیتنے میں کامیاب ہوگیا۔ غزہ کے یہ تینوں اہرام آج بھی ان تینوں فرعونوں کی انمٹ یادگاروں کے طور پر باقی ہیں۔ بہ ظاہر پتھروں کا ڈھیر نظر آنے والے یہ اہرام دراصل اس عہد میں علم ریاضی کی ترقی یافتہ صورت کے بہترین مظاہر ہیں۔ ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ صرف بڑے ہرم کے پتھروں سے سارے فرانس کے گرد تین فٹ اونچی اور ایک فٹ چوڑی دیوار تیار کی جاسکتی ہے۔ صرف اس بات سے آپ کو قدیم مصری قوم کی محنت اور عظمت کا اندازہ بہ خوبی ہوسکتا ہے۔

کیوپس کا ہرم مکمل طور پر مخروطی شکل کا مثلث نما چہار پہلو مینار ہے۔ اس کی کسی سمت میں بھی دروازہ نہیں رکھا گیا ہے۔ اس کی سب سے نچلی منزل ایک مربع چبوترے کی مانند ہے۔ جس کا ہر ضلع سات سو تریسٹھ فٹ طویل ہے۔ اس چبوترے کی اونچائی چار فٹ آٹھ انچ ہے۔ اس چبوترے پر اسی اونچائی کا ایک دوسرا چبوترا تعمیر کیا گیا ہے۔ جس کی لمبائی چوڑائی پہلے سے کم ہے۔ اس طرح مینار کی چوٹی تک دو سو کے قریب چبوترے مسلسل چلے گئے ہیں ان

چبوتروں کے بتدریج گھٹنے سے نیچے سے اوپر تک سیڑھیاں بن گئی ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس بڑے اہرام میں پانچ کروڑ مکعب فٹ پتھر لگا ہے۔ 820ء تک اس اہرام کی اندرونی کیفیت کسی کو معلوم نہ تھی۔ اس سال خلیفہ مامون الرشید نے مہینوں کی محنت اور بڑا کثیر سرمایہ صرف کر کے اس کو شمال کی سمت سے کھلوایا۔ جب یہ حصہ کھلا تو شگاف کے پاس ہی مامون کو اس قدر زر نقد رکھا ہوا ملا جتنا اس عظیم عمارت کو کھلوانے میں صرف ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ شاید اہرام تعمیر کرنے والے منجموں نے اپنے علم نجوم سے ہزاروں برس پہلے ہی یہ بات معلوم کر لی تھی کہ اسے فلاں سن میں فلاں بادشاہ کھلوائے گا اور اس کا کس قدر زر اس کام پر صرف ہوگا۔ شاید انہیں وہ سمت بھی معلوم تھی جس سمت سے اس اہرام کو کھولا جانا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے پہلے ہی وہ مختنانہ رکھ دیا تھا ایسی ہی ایک روایت علامہ شبلی نعمانی نے اپنے سفرنامے میں رقم کی تھی کہ 593ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے بیٹے ملک العزیز نے بعض ناعاقبت اندیشوں کے مشورہ پر اس اہرام کو مسمار کرانا چاہا مگر لاکھوں روپے کے زیاں کے بعد بھی صرف اوپری سطح کو نقصان پہنچ سکا۔ مجبوراً اسے کام بند کروانا پڑا۔

215ق م۔۔۔۔دیوار چین کی تعمیر

انسانی معاشرے کی تاریخ زمانہ قبل از تاریخ سے ہی خانہ بدوش حملہ آوروں اور متمدن انسانی آبادیوں کے درمیان آویزشوں اور چپقلشوں کی کہانی ہے۔ قدیم انسانی معاشرے کے ان ابتدائی چپقلشوں کا نشان، آج دنیا کے کسی ملک میں بھی اتنا واضح نہیں ہے جتنا ہمارے ہمسائے ملک چین میں خود چین کی عظیم دیوار چین انسانی معاشرے کی انہیں قدیم آویزشوں کی علامت ہے۔ یہ عظیم عجوبہ روزگار دیوار جو مہذب انسانی آبادیوں کو وحشی ہن اور تاتاری خانہ بدوشوں کی یورشوں سے بچانے کے لیے تیسری صدی قبل از مسیح میں تعمیر کی گئی تھی شمالی چین کے پہاڑوں پر سے بل کھاتی ہوئی وسطی ایشیا کے دور دراز علاقوں تک چلی گئی ہے۔ چین میں وحشی خانہ بدوش قبائل سے متمدن انسانی آبادیوں کی حفاظت کے لیے ایسی حفاظتی دیواروں کی تعمیر کی ابتدا چوتھی صدی قبل از مسیح میں ہوئی تھی۔ بعض مورخین کے نزدیک حفاظتی فصیلیں تعمیر کرنے کا آغاز چین کے شہروں کے گرد حفاظتی فصیلیں تعمیر کرنے کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔ تیسری صدی قبل مسیح میں چین کے عظیم ہین Han شہنشاہ شی ہوانگ تی Shih Huangti نے مختلف ریاستوں میں بٹے ہوئے اس ملک کو اتحاد کی رسی میں پرو کر ایک مملکت میں بدل دیا۔ 221ق م میں اسے سارے چین کا شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ اپنی مملکت کی شمالی سرحد کو وحشی اور تاتاری خانہ بدوشوں کے متواتر حملوں سے بچانے کے لیے اس نے 215 ق م میں ایک طویل دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس کام کے لیے شہنشاہ نے اپنی مملکت کے ہر تیسرے شہری کو جبری طور پر اس دیوار کی تعمیر پر لگا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ تین لاکھ سے زائد انسانوں نے مسلسل دس سال تک اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اس دیوار کے متعلق حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کی تعمیر پر اٹھنے والے خرچ میں شہنشاہ کے خزانے کا تمام تر روپیہ صرف ہو گیا اگرچہ یہ دیوار صرف مٹی اور پتھروں اور جبری مشقت سے تعمیر کی گئی تھی اور اس دیوار کے صرف کچھ شرقی حصے ہی اینٹوں سے تعمیر کیے گئے تھے۔ شہنشاہ شی ہوانگ تی اس دیوار کی تعمیر اور اتحاد چین کے علاوہ تانبے کا ایک نیا سکہ جاری کرنے ریشم کو رواج دینے، اوزان اور پیمانوں کو ایک معیار پر لانے، ایک بڑی نہر اور کئی بڑی بڑی شاہراہیں تعمیر کرنے کے لیے بھی مشہور ہے۔ اس کے عہد میں 213ق م میں وہ فرمان جاری کیا گیا جسے

کتابوں کی آتش زنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس فرمان کے ذریعے شہنشاہ نے زراعت، طب اور کہانت کے علاوہ تمام علوم کے متعلق کتابیں تلف کر دینے کا حکم دیا تھا۔

ہین خاندان Han Dynasty کے بعد چین پر تھوڑی تھوڑی مدت کے لیے کئی اور حکمران خاندان برسر اقتدار آئے مگر یہ سب اپنے دیگر داخلی امور میں اتنے الجھے رہے کہ ان خاندان کے کسی حکمران نے بھی اس عظیم حفاظتی دیوار کی تعمیر و مرمت پر توجہ نہ دی اور صدیاں گزر گئیں۔ 1234ء میں چن خاندان Chin Dynasty کو چنگیز خان نے اقتدار سے محروم کر کے چین میں منگول خاندان کی بنیاد رکھی۔ چنگیز خان کی تاتاری افواج عظیم دیوار چین ہی کو روند کر شمالی سرحد سے چین میں داخل ہوئی تھیں۔ یہ چودہ سو سال میں پہلا واقعہ تھا جب صحرائے گوبی سے آنے والے خانہ بدوشوں نے اتنے وسیع پیمانے پر متمدن انسانی آبادیوں پر اپنا اقتدار قائم کیا۔ اس کی ایک بڑی وجہ شمالی سرحد کی حفاظتی دیوار کی شکست و ریخت بھی تھی۔ 1368ء میں منگ خاندان نے تاتاریوں کو چین سے نکال دیا اور شمالی سرحد کو پھر سے مضبوط بنایا۔ 1420ء میں اسی خاندان کے شہنشاہ ینگ لو yunglo نے عظیم دیوار چین کی دوبارہ تعمیر کا حکم دیا۔

اس نو تعمیر شدہ دیوار کی بلندی 22 فٹ سے 26 فٹ (6.7 سے 8 میٹر) رہ جاتی ہے۔ دیوار زیادہ تر پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے اور اس کے درمیانی خلا کو مٹی اور اینٹ روڑے سے پُر کیا گیا ہے۔ جس پر پھر اینٹوں کا فرش بچھایا گیا ہے دیوار کی شمالی طرف کنگرہ دار مورچے رکھے گئے ہیں اور تقریباً ہر 590 فٹ یا 180 میٹر کے بعد نگہبانی کے لیے ایک چوکور مینار تعمیر کیا گیا ہے جس میں وقفوں کے بعد محرابی طاقچے رکھے گئے ہیں۔ انہیں میناروں کی چھتوں پر مشاہدے کے لیے بالاخانے بھی تعمیر کیے گئے ہیں۔ اہم دروں خاص طور پر پیکنگ کے شمال میں کاروانوں کی گزر گاہوں کے قریب دیوار کی دوگنا یا سہ گنا شاخیں تعمیر کی گئی ہیں جن سے یہ مقامات وحشیوں کے حملوں سے مامون ہو گئے تھے۔

اپنی تمام پیچیدگیوں کے ساتھ یہ دیوار تقریباً 2486 میل یا 4000 کلومیٹر طویل ہے۔ اس کی تعمیر میں تقریباً 47277956 کیوبک فٹ (446250 کیوبک میٹر) مٹی اور تقریباً 15759318 کیوبک فٹ پتھر اور اینٹیں صرف ہوئی ہیں۔ تاریخ عالم میں انسانی ہاتھوں سے تعمیر ہونے والی یہ سب سے بڑی دیوار اور سب سے بڑا تعمیراتی منصوبہ ہے۔ زمین کا یہ واحد انسانی تعمیر شدہ شاہکار ہے جسے چاند اور مریخ جیسے دور دراز کے سیاروں سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

بنیادی طور پر دیوار چین فوجی (دفاعی) مقاصد کے لیے تعمیر کیا گیا ایک شاہکار ہے مگر اس کی تعمیر کے کئی اور بھی مقاصد ہیں جیسے پہاڑی علاقوں میں رسل و رسائل کا یہ بڑا ذریعہ ہے بہ صورت دیگر ان پہاڑی علاقوں میں رسل و رسائل ایک مشکل کام ہے۔ ایک شاہراہ کے طور پر اس دیوار کی کشادگی اتنی ہے کہ اس پر سے پانچ یا چھ گھڑ سوار ایک ساتھ گزر سکتے ہیں۔ فوجی انجینئرنگ کے اس عظیم شاہکار میں دیگر تعمیرات عالم میں پائے جانے والے جمالیاتی پہلو یا جمالیاتی آراستگی کا بہت کم خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اپنے خوب صورت زمینی منظر میں بڑی بھلی معلوم دیتی ہے بلکہ ایک طرح سے ایک عظیم جمالیاتی شاہکار نظر آتی ہے۔ چینیوں کے اس خیال کی ایک زندہ مثال بھی ہے کہ انسانی ہاتھوں سے تعمیر ہونے والی ہر عمارت اس خطے کے قدرتی اصولوں کی تابع ہوتی ہے جس پر وہ تعمیر کی گئی ہو۔ شاید اسی اصول کے تابع ہونے کی وجہ سے پہاڑی چوٹیوں پر بل کھاتی

ہوئی یہ عظیم دیوارِ چین کے روایتی اژدھے کا روپ دھار لیتی ہے۔

جہاز میں بنایا گیا ریستوران

ہوٹل سویڈش کمپنی ''ٹرانس جیٹ ایئر ویز'' کی ملکیت اس جمبو جیٹ 747 جہاز کو 2002ء میں انتظامی امور میں مسائل کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا تھا جسے اب ایک ہوٹل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس جہاز کی فرسٹ کلاس میں اس ہوٹل کے بیڈ روم بنائے گئے ہیں۔ یہ جہاز ہوٹل سویڈن کے سب سے بڑے ایئر پورٹ ٹرمینل پر کھڑا ہے۔ سویڈن کے ایئر پورٹ سے پندرہ منٹ پیدل چلنے کے بعد اس جہاز ہوٹل تک پہنچا جاتا ہے۔ اس جہاز ہوٹل میں سنگل بیڈ، ڈبل بیڈ اور تھری بیڈ روم کی سہولت موجود ہے۔ یہاں کے کمرے بالکل کسی فائیو اسٹار ہوٹل کی طرح لگتے ہیں۔ اس میں موجود ہر کمرے میں فلیٹ اسکرین ٹی وی اور وائر لیس انٹرنیٹ کی سہولت بھی فراہم کی گئی ہے۔ اس ہوٹل کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں مہمانوں کی خاطر مدارات کرنے والے عملے کا یونیفارم بالکل جہاز کے عملے کے یونیفارم جیسا ہوتا ہے۔

279ق م۔۔ سکندریہ میں مینارہ نور کی تعمیر

سکندریہ کے ساحل کے سامنے ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا جو ساحل کے قریب آبی چٹانوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس جزیرے کو شہر کی تعمیر کے وقت ایک موج شکن دیوار کے ذریعے، سکندر اعظم کے حکم پر خشکی سے ملا دیا گیا تھا۔ چونکہ اس جزیرے کے ساحل کے نزدیک آبی چٹانیں اور کھاڑیاں واقع تھیں جو جہاز رانی کے لیے خطرناک تھیں۔ اس لیے بحری جہازوں کو ان سے ہوشیار رکھنے کے لیے شاہ بطلیموس دوم نے 279ق م میں اس جزیرے پر ایک مینارہ نور تعمیر کرایا جو اس جزیرے کے نام کی نسبت سے ''فیروس Pharos'' کہلایا۔

چھٹی صدی عیسوی تک اس مینارہ نور کو قدیم زمانے کے سات عجائبات عالم میں سے ایک سمجھا

جاتا تھا۔ یہ مینار زمانہ قدیم کی تعمیری مہارت اور ٹیکنالوجی کی انتہائی شاندار مثال تھا۔ اسے اس زمانے کے مشہور ماہر تعمیر سوسٹریٹوس Sostratos نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی بلندی، کہا جاتا ہے کہ تقریباً 440 فٹ (135 میٹر) تھی۔ یہ مینار تین منزلوں پر مشتمل تھا۔ پہلی منزل چوکور دوسری ہشت پہلو اور تیسری یا بالائی منزل ارسطوانہ تھی۔ اس منزل پر رات کو آگ جلا کر جہازوں کو سگنل دیے جاتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس مینار کی روشنی بحری جہاز کو پچیس میل دور سے نظر آنے لگتی تھی۔ جس سے جہاز آسانی سے سمت تبدیل کر لیتے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق مینار ۔۔ کی اوپر والی منزل پر بطلیموس اول یا سکندر اعظم کے بت کے ساتھ ساتھ ایک ایسا آئینہ بھی نصب تھا جس میں بحیرہ روم کے اس پار واقع قسطنطنیہ میں ہونے والا ہر عمل نظر آتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس آئینے کو بوقت ضرورت ایک آتشیں شیشے کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ جس سے بحیرہ روم میں سفر کرنے والے دشمنوں کے بحری جہازوں پر سورج کی شعاعیں مرتکز کر کے انہیں جلا دیا جاتا تھا۔

مسلمانوں کے سکندریہ فتح کرنے کے بعد مینار کی اوپر والی منزل سے بت ہٹا کر وہاں مسجد بنا دی گئی تھی کہا جاتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کو شہنشاہ قسطنطنیہ نے چالاکی سے اسے مسمار کرنے پر رضامند کیا تھا عیسائی شہنشاہ دراصل نہیں چاہتا تھا کہ مسلمان جہاز رانی میں اس مینارہ نور سے فائدہ اٹھائیں۔ ایک روایت کے مطابق جب خلیفہ کے حکم پر یہ مینارہ آدھے سے زیادہ مسمار ہو گیا تو خلیفہ کو شاہ روم کی چالاکی کا پتا چل گیا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق یہ مینار 1375ء میں ایک زلزلے سے منہدم ہوا تھا۔ اسی مینار کے کھنڈرات پر مصر کے مملوک سلطان قائتبائی نے 1477ء میں ایک قلعہ تعمیر کروایا تھا۔

سیوریج پائپ میں ریستوران

اگر سڑک کے کنارے کوئی سیوریج پائپ پڑا ہوا ہو تو عام طور پر یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ جلد ہی کھدائی کر کے اسے زمین کے اندر دبا دیا جائے گا اور پھر گھروں اور دیگر جگہوں کا گندہ پانی اس پائپ میں سے گزر کر کسی بڑے نالے میں جا کر گر جائے گا لیکن

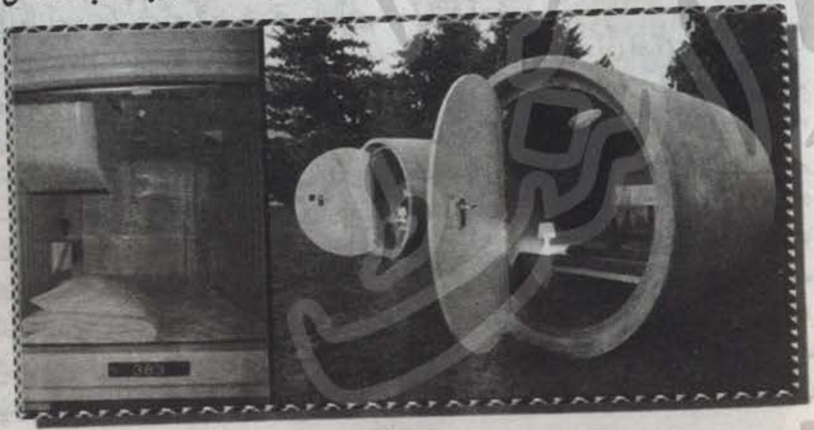

آسٹریلیا میں سڑکوں کے کنارے بڑے سیوریج پائپوں میں لوگوں نے اپنا گھر بنا کر رہنا شروع کر دیا ہے اور اب آسٹریلیا میں سیوریج پائپوں کے اندر بنائے گئے ہوٹل بڑی تیزی کے ساتھ مقبول ہو رہے ہیں۔ اب وہاں سات آٹھ بڑے سیوریج پائپوں سے خوب صورت اور نہایت آرام دہ ہوٹل بن گئے ہیں جن میں ہر پائپ کے اندر دو بستروں پر مشتمل کمرا بنایا گیا ہے اور اس سیوریج ہوٹل میں رہنے والوں کو پانی اور بجلی کی سہولت بھی فراہم کی گئی ہے جبکہ پائپ کی اندرونی دیواروں کو بالکل اسی طرح سجایا گیا ہے جس طرح لوگ عام طور پر اپنے گھروں کے کمروں کو سجاتے ہیں۔ اس ہوٹل میں رہنے کے خواہش مندوں کے لیے اب آن لائن بکنگ کروانے کی سہولت بھی شروع ہوگئی ہے۔ مہم جو پسند اور کچھ نیا کرنے کی سوچ رکھنے والوں کے لیے یہ ''سیوریج پائپ ہوٹل'' ایک بہترین جگہ ہے۔

570ق م ۔۔۔ بابل کے معلق باغات

بنوکدنضر کے حکم پر بابل میں معلق یا آویزاں باغات بنائے گئے جن کا شمار دنیائے قدیم کے عجائبات عالم میں ہوتا تھا۔ بنوکدنضر نے یہ باغات اپنی ملکہ آمیتہ کے لیے تعمیر کروائے تھے۔ ملکہ آمیتہ ایران کے بادشاہ کیاکسارا کی بیٹی تھی اور ایران کے پہاڑی علاقے ہمدان کی رہنے والی تھی۔ ہمدان کے پہاڑی نظاروں سے اسے قدرتی نسبت تھی۔ بابل ہر چند کے بہت خوب صورت شہر تھا لیکن یہاں کوئی پہاڑ نہ تھا۔ اس لیے آمیتہ کچھ اداس سی رہتی تھی۔ بادشاہ نے جب اداسی کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ بابل میں وہ سرسبز پہاڑی نشیب و فراز کہاں جو میرے وطن میں تھے۔ یہاں ہر طرف میدان ہی میدان نظر آتے ہیں۔ یہ میدانی سطح دیکھتے دیکھتے اکتا گئی ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ اس سرزمین میں پہاڑ بھی ہوں۔

میدانی علاقے کو پہاڑی علاقے میں ڈھالنا تو ممکن نہیں تھا۔ بنوکدنضر چاہتا تھا کہ ملکہ کی آرزو پوری ہو۔ اس نے اپنے ملک کے اعلیٰ دماغوں کو ملکہ کی خواہش سے آگاہ کیا۔ پہاڑ ہوتے تو انہیں کاٹ کر ان پر سبزہ زار بنائے جاسکتے تھے لیکن میدانی علاقے میں پہاڑ بنے تو کیونکر؟ اونچی اونچی چوٹیاں، ان پر مہکتے باغات اور بلند و بالا درخت کہاں سے آئیں؟ وہ سب حیران تھے۔ ان میں سے ایک دانشمند بولا۔ ''ہماری قدیم کتابوں میں درج ہے کہ بابل میں بڑی بڑی چیزیں بنیں گی۔ اہلِ دنیا انہیں دیکھ دیکھ کر حیران ہوں گے۔ یہاں تک کہ بابل میں پہاڑ بھی بنیں گے۔ پہاڑ پر جنگل اگیں گے اور چشمے بھی پھوٹیں گے۔''

کچھ باتیں تو بادشاہ کی سمجھ میں آئیں۔ لیکن پہاڑ کا مسئلہ بہت دشوار تھا۔ ایک پروہت بولا کہ پہاڑ بننا بھی ممکن ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اونچی اونچی محرابیں بنائی جائیں ان محرابوں پر چھت ڈالی جائے پھر اس چھت پر چاروں طرف جگہ چھوڑ کر اور محرابیں بنائی جائیں۔ ان محروبوں پر بھی چھت ڈالی جائے۔ اسی طرح اور محرابیں بنائی جائیں اور ان پر چھتیں ڈالی جائیں۔ اس سلسلے کو اتنا اونچا لے جائیں کہ دور سے پہاڑ نظر آئے۔

بادشاہ کو تجویز پسند آئی اور اس منصوبے پر فوراً کام شروع ہوگیا۔ محرابوں کو مضبوط بنانے کے لیے ان میں سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا تاکہ زیادہ سے زیادہ بوجھ سہار سکیں۔ پھر ان چھتوں کی روشوں پر ایشیا بھر سے پھول پودے لا کر لگائے گئے۔ یہ چھتیں تین سو پچاس فٹ اونچی اور چار سو فٹ لمبی تھیں۔ چھتوں کے نیچے محرابوں کے اندر آرام گاہیں تھیں۔ ان میں نہایت خوب صورت اور چمک دار رنگوں سے نقش و نگار بنائے گئے اور آرام و آسائش کے تمام سامان مہیا کیے گئے۔ محرابوں کے اوپر ہری ہری بیلیں چڑھائی گئیں

اور ایک چھت سے دوسری چھت پر جانے کے لیے ایسی چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں اور روشیں بنائی گئیں جیسے پہاڑ کاٹ کر پہاڑ پر راستے بنائے جاتے ہیں۔

مصنوعی پہاڑ بھی بن گیا۔ درخت اگ آئے، چمن زار کھل گئے اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ باغوں کو سیراب کیسے کیا جائے؟ ان باغوں کو سیراب کرنے کا طریقہ بھی بڑا دلچسپ تھا۔ سب سے اوپر کی چھت پر ایک بہت بڑا تالاب بنایا گیا تھا۔ اس تالاب میں نلوں کے ذریعے دریائے فرات کا پانی بھرا جاتا تھا۔ پمپ مسلسل دن رات چلتے تھے اور پانی کی مقدار میں کمی نہ آنے دی جاتی تھی۔ اس تالاب کے پانی سے چشمے بہتے تھے اور فوارے چھوٹتے تھے۔ باغ انہیں چشموں سے سیراب ہوتا تھا۔ ان باغوں کے اونچے اونچے درخت جب ہوا کے جھونکوں سے ہلتے تو یوں محسوس ہونے لگتا جیسے پہاڑ کا پہاڑ ہل رہا ہے۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے سدا بہار باغات کو آویزاں کر کے زمین کی سطح تک پہنچا دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ باغات بابل کے معلق یا آویزاں باغات کہلاتے تھے۔

فن تعمیر کا یہ عظیم نمونہ قدیم دنیا کے ہفت عجائبات میں شمار ہونے لگا۔ بابل کے معلق باغات تو زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے لیکن ان کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں بنوکدنضر نے ایک عظیم بند بھی تعمیر کرایا تھا جو دجلہ سے فرات تک بڑھتا چلا گیا تھا۔

استفادہ - تاریخ عالم

دنیا کی فلک بوس عمارتیں

سال 2012ء میں کچھ ایسی عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں جو اپنے معماروں کے خوابوں کی تعبیر ہیں۔ دنیا بھر میں تعمیر ہونے والی یہ عمارتیں نہایت شاندار، دلفریب اور اپنے معماروں کی ہنر مندی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ ان عمارتوں میں چند کی تفصیل درج ذیل ہے۔

Delanoe Tower

50 منزلہ یہ خوب صورت عمارت فرانس کے دارالحکومت پیرس کی پہلی فلک بوس عمارت ہے۔ اس عمارت میں دفاتر اور رہائش دونوں ہی موجود ہیں اور اس عمارت میں استعمال ہونے والی توانائی پن بجلی اور سورج سے حاصل کی جاتی ہے۔ اس عمارت کو شہر سے باہر غیر معمولی زون میں تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ ایک رعایتی ہاؤسنگ اسکیم ہے جو کہ ہاؤسنگ کے بحران کو کم کرے گی۔

London Olympic Complex

یہ بلڈنگ بہت خوب صورت ہے۔ اس بلڈنگ میں کھیلوں کے لیے اسٹیج بھی بنائے گئے ہیں۔ اس اولمپک اسٹیڈیم کی چھت انسانی پٹھوں کی شکل میں ہے۔ یہ چھت Zaha Hadid's Aquatic Center کی چھت سے متاثر ہو کر بنائی گئی ہے جو کہ ڈرامائی انداز میں S نما ہے۔ یہ جگہ دنیا بھر کے کھلاڑیوں کے سب سے بڑے جشن کے قابل ہے۔

Tokyo sky Tree

جاپان کے دارالحکومت ٹوکیو کے علاقے Sumida میں تعمیر کیا جانے والا یہ ٹاور 630 میٹر لمبا ہے۔ اس کی تکمیل سے قبل اس کا مصنوعی ڈھانچہ تیار کیا گیا تھا۔ اس کی لمبائی دنیا بھر کے نشریاتی ٹاور سے دگنی ہے۔ 2011ء میں جاپان نے ٹی وی کے تمام Analog broadcasts بند کر دیے

تھے۔ اس بلڈنگ کے ایک بڑے حصے میں ڈیجیٹل انٹینا نصب کیا گیا جو پورے ملک کے لیے ہیں۔

Marilns Stadium

اس نئے اسٹیڈیم میں بیس بال کھیلا جاتا ہے۔ یہ اسٹیڈیم بیس بال کی شرائط پر پورا نہیں اترتا کیونکہ یہ چھوٹا ہے لیکن اس کی گنبد نما چھت اور پندرہ ہزار اسکوائر فٹ پر نصب شفاف شیشے اسے حیرت انگیز بناتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس میں دو سمندری ٹینک بھی بنائے گئے ہیں جو کہ سمندری زندگی کو نمایاں کرتے ہیں۔ اس اسٹیڈیم کو اس انداز میں تعمیر کیا گیا ہے کہ آنے والے لوگ خود کو آرام دہ محسوس کریں۔

Shard London Bridge Tower

مئی 2012ء میں مکمل ہونے والی یہ بلڈنگ یورپی یونین کی سب سے لمبی عمارت ہے۔ 1017 فٹ لمبی یہ عمارت Southwark میں تعمیر کی گئی ہے۔ اس عمارت کی جدیدیت کا اندازہ اس بات سے با آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ بدلتے موسموں اور آب و ہوا کے ساتھ ساتھ اس کی ظاہری شکل بھی تبدیل ہوتی رہے گی۔

حیرت انگیز زیرِ زمین گھر

جیسے جیسے آبادی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے انسان نے اپنے لیے مزید مسائل سے بچنے کے لیے حل تلاش کرنا شروع کر دیے ہیں۔ انہیں مسائل میں ایک جگہ کا مسئلہ بھی ہے جس کے حل کے لیے اب لوگوں نے زیرِ زمین عمارتیں تعمیر کرنا شروع کر دی ہیں۔ انسان جو کہ ابتدا میں غاروں میں رہائش پذیر تھا اور آہستہ آہستہ اس کو احساس ہوا کہ زمین پر رہائش اختیار کرنا اس کے لیے زیادہ سود مند ہے۔ لیکن اب اس نے زمین کے اندر بھی رہائش اختیار کرنا شروع کر دی ہے۔ یہاں چند حیرت انگیز زیرِ زمین گھروں کے

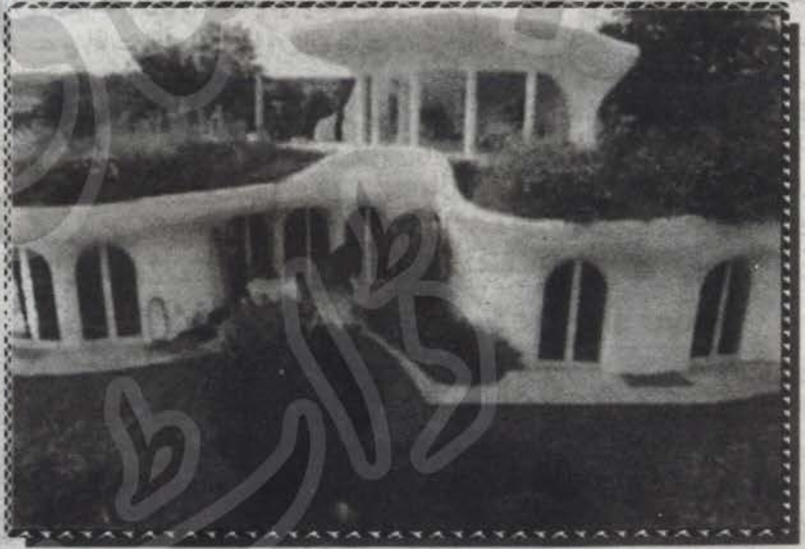

بارے میں آگاہ کیا جا رہا ہے۔

Cave House in Festus

یہ جدید اور توانائی کی بچت کا حامل گھر پندرہ ہزار اسکوائر فٹ پر Missouri کے علاقے Festus کی ایک غار میں تعمیر کیا گیا ہے۔ اس گھر کو اس انداز سے ڈیزائن کیا گیا ہے کہ نہ اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ایئر کنڈیشن کی ضرورت ہے اور نہ گرم رکھنے کے لیے کسی ہیٹر کی۔ اس گھر کی دیواریں غار کی دیواریں ہی ہیں۔ اس گھر کو Curt and Deborah Sleeper نے تعمیر کیا ہے۔ اس مقام پر پہلے کنسرٹ ہوا کرتے تھے اور گھر بننے سے قبل اسے نیلام کر دیا گیا۔

Malator in Druidstone

یہ گھر Wales کی خوب صورت تعمیرات میں سے ایک ہے۔ مقامی لوگ اس گھر کو The Teletubby House کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس گھر کی چھت پر ایک اسٹیل کی چمنی موجود ہے اور اس گھر کا ڈیزائن سادہ ہے۔ بنیادی طور پر اس گھر میں ایک ہی کمرا ہے جسے مختلف رنگوں کے ذریعے تقسیم کیا گیا ہے۔ جبکہ اس گھر کے باہر بھی زمین کی تزئین و آرائش کی گئی ہے۔

Hidden House in Lower Silesia

پولینڈ میں موجود اس زیرِ زمین گھر کو KWK Promes نے ڈیزائن کیا ہے۔ اس کی چھت پر گھاس ہی گھاس ہے اور اسی گھاس کو کاٹ کر گھر کے اندر اترنے والی سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔ گھاس ہونے کی وجہ سے ان سیڑھیوں تک رسائی صرف رہائشیوں کو ہی حاصل ہے۔

Sadum House, North Narfloak Coast

اس گھر کی تعمیر اس انداز سے کی گئی ہے کہ زیادہ سے زیادہ سورج کی روشنی اس پر پڑے جبکہ اس گھر کا زیادہ تر حصہ زیرِ زمین ہے۔ یہ ایک ماحول دوست گھر ہے جو کہ آسانی سے گرم اور ٹھنڈا بھی ہو جاتا ہے۔ اس گھر کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ بارش کے پانی کو ذخیرہ بھی کر سکتا ہے۔ برطانیہ میں تعمیر یہ زیرِ زمین گھر ایک ذاتی رہائش گاہ ہے۔

Flower Petals Bolton

مانچسٹر کی یونائیٹڈ فٹ بال ٹیم کے سابقہ کپتان Gary Neville نے برطانیہ میں ایک زیرِ زمین ماحول دوست گھر تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا اور آخر کار ٹاؤن کی منصوبہ بندی کرنے والی کمیٹی نے ان کو اجازت دے دی۔ یہ گھر 8 ہزار اسکوائر فٹ پر تعمیر کیا گیا ہے جس میں 4 کمرے موجود ہیں اور اس کے ارد گرد Pennine Hillside موجود ہے۔ پھولوں کی پنکھڑیوں کی شکل میں کھلنے والی ان کھڑکیوں کے ذریعے روشنی نیچے زمین تک پہنچتی ہے۔

Stone Desert Home

Deca کی جانب سے مستطیل کی شکل میں تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ زیرِ زمین گھر نہایت ہی ماحول دوست ہے کیونکہ اس میں قدرتی روشنی، گرمی اور ٹھنڈی ہوا کا گزر ہے۔ اس گھر کو دو پہاڑیوں کی ڈھلان کے درمیان تعمیر کیا گیا ہے۔ اس گھر کے ارد گرد ریگستان ہے اور اس کے ڈیزائن میں روایتی یونانی عناصر موجود ہیں۔ یونان میں موجود یہ گھر صرف درمیان سے دکھائی دیتا ہے۔

Estate Lattenstrasse, Dietkon

سوئٹزرلینڈ میں تعمیر ان 9 خوب صورت گھروں کی سیڑھیاں ایک بیسمنٹ میں جا کر اترتی ہیں۔ ان گھروں میں موجود جدید نظام مؤثر انداز میں بارش اور انتہا کی گرمی سے بچاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہوا کے گزر کو بھی یقینی بناتا ہے۔

ریت کی مجسم تصویریں

ریت کے مجسمے تو شاید اکثر آپ نے دیکھے ہوں گے۔ لیکن آج ہم آپ کو چند ایسے انوکھے ریت کے مجسمے دکھائیں گے جن کی تخلیق میں بڑوں کے علاوہ بچوں کی پسند کا خیال رکھا گیا ہے۔ حال ہی میں بیلجیم میں واقع Blandenberge کے ساحل سمندر پر ایک منفرد فیسٹیول کا آغاز ہوا۔ اس فیسٹیول میں ریت سے بنائے گئے مجسمے تخلیق کیے گئے۔ یہ مجسمے اپنے تخلیق کاروں کی صلاحیتوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ اس فیسٹیول میں دنیا بھر سے تقریباً 40 کے قریب فنکاروں نے حصہ لیا۔ یہ فیسٹیول جون کے اختتام تک جاری رہا۔ حقیقت میں اس فیسٹیول کی تھیم کارٹون اور تصوراتی کہانیوں پر ہے۔ جس میں جادوئی قلعے اور دلچسپ محلات شامل ہیں۔ اس کے

علاوہ پسندیدہ مزاحیہ کتابوں کے میزبان بھی اس فیسٹیول میں شامل تھے۔

جرنیلی سڑک کے کنارے

تاریخی سرائے چھیمبہ (سراں)

قدیم ادوار سے ہی ہماری سرزمین کئی شاہراہوں پر سے گزرنے والے جنگجوؤں، فاتحین اور بادشاہوں کی گزرگاہ رہی ہے۔ راجپوتانہ تا بنگال کو افغانستان کی سربلند سرزمین کو ملانے والے راستے کو چوتھی صدی قبل مسیح کی دستاویزات کے مطابق جی ٹی روڈ

(جرنیلی سڑک) کا نام دیا گیا تھا۔ مختلف قصبوں اور شہروں کو باہم ملانے والی شاہرات قدیم دور میں بہت اہمیت کی حامل رہیں۔

صدیوں سے موجود رہنے والی اس طرح کی قدیمی شاہ راہ (موجودہ جدید شکل میں لاہور، ملتان ہائی وے N-5) کی اہمیت مغلوں کے دور میں بہت بڑھ گئی۔ جب مغل سلطنت امن کی بہاریں دیکھ رہی تھی اسی دور میں شمال میں واقع لاہور، مغلوں کے متبادل دارالحکومت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا اور ملتان نسبتاً امیر صوبے اور تجارتی مرکز کے طور پر سامنے آیا۔ مغلوں کے تیسرے فرماں روا، اکبر اعظم کے دور میں تجارت کے مقاصد، جنگی مہمات، شاہی دوروں کو سہولت بخشنے کے لیے اس قدیمی لاہور، ملتان کے درمیان واقع جرنیلی سڑک کو خصوصی توجہ کا مستحق گردانا گیا۔ ان شاہراہوں کے نظام کے گھوڑے، پیادے، سیکورٹی کا انتظام کے ساتھ ساتھ یہاں لاتعداد نئی ”کاروان سرائے“ تعمیر کی گئیں جہاں پرانی سرائیں موسمی یا جنگی حالات کی وجہ سے عدم وجود سے دوچار تھیں۔

اس دور میں ان سراؤں کا باہم فاصلہ ‘طے کیے جانے والے سفر کے مطابق رکھا جاتا تھا جو عموماً 25 تا 30 کلومیٹر (اُس دور میں طے ہونے والا روزانہ فاصلہ) ہوتا تھا۔ لاہور کے اندرون (مرکزِ حکومت) سے نکلتے تو پہلا پڑاؤ ملتان جانے والی جرنیلی سڑک پر ضلع قصور کے تاریخی قصبے ہنجروال میں سرائے کی صورت میں ہوتا تھا۔ ہنجروال کی یہ سرائے امتداد زمانہ کے ہاتھوں کب کی وجود کھو چکی ہے۔

سیاحوں اور ماہرینِ آثاریات کی نظروں سے ذرا اوجھل، بغیر منصوبے کے تعمیر ہونے والے دیہاتی گھروں اور زرعی زمینوں میں گھری ”سرائے چھیمبہ“ کی آثاریات ہنجروال سے مزید 30 کلومیٹر دور

N-5 پر ”سراں“ کے اسٹاپ کے مغرب میں تقریباً ایک کلومیٹر دور قدیم جرنیلی سڑک کی نشانی کے طور پر آج بھی موجود ہے۔

قارئین کے لیے یہ امر باعثِ دلچسپی ہوگا کہ ”سرائے چھیمبہ“ ”سرائے ہنجروال“، ”سرائے مغل“ جیسی سرائیں اٹک قلعہ سے منسلک ”بیگم کی سرائے“ ٹیکسلا راولپنڈی کے درمیان ”سرائے خربوزہ“ راولپنڈی کے مشرق میں ”سرائے روات“ روہتاس قلعہ کے عین باہر ”راجو پنڈ“ نامی جگہیں قلعہ بند حالت میں آج بھی سیاہ راتوں کے دوران قزاقوں اور مقامی دیہاتی لٹیروں سے بچاؤ کے لیے دروازے بند کر کے محفوظ ہو جانے والے شاہی کاروانوں کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ درحقیقت اس خطہ میں یہ کوئی انوکھی تعمیراتی حیرت گاہ نہ تھی بلکہ وسطی ایشیا، ایران اور ہندو پاک میں تعمیر ہونے والی اسی طرح کی سراؤں سے مشابہہ، موٹی، بڑی دیواروں اور مشرق اور مغرب کی جانب مرکزی دروازوں، قلعہ نما بلندی اختیار کیے ہوئے کئی تعمیرات موجود ہیں۔

حد بندی کے طور پر کام آنے والی موٹی، بیرونی دیواروں کے اندر کی طرف گنبد نما چھتوں والے اندھیرے لیکن ٹھنڈے، بڑے بڑے کمروں کے لمبے سلسلے میں مسافروں کے کاروان، شاہی مصاحب، سامان لانے لے جانے والے ایک یا دو دن کے لیے آرام کرنے اور تازہ دم ہونے کے لیے یہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ ان کے جانور (گھوڑے اور گدھے اور ہاتھی) سراؤں کے کونے پر واقع وسیع اصطبل میں ٹھہرا دیے جاتے تھے۔

مشرقی اور مغربی سمتوں میں تعمیر شدہ محراب نما وسیع اور بلند دروازے اکبر کے دور کے تعمیر شدہ ہیں۔ مغربی دروازہ پر قبضہ ہو چکا ہے اور یہ رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہے جبکہ مشرقی دروازہ آنے اور جانے کے لیے مستعمل ہے۔ چند سال قبل تک دروازہ کے عالی شان مضبوط لکڑی سے تعمیر پٹ (کواڑ) موجود تھے، لیکن بعد ازاں جب پختہ گلیاں اور سولنگ لگاتے ہوئے گلیوں کو اونچا کیا گیا تو یہ نہ کھل سکنے کی وجہ سے اتار کر غائب کر دیے گئے۔

سرائے کے شمالاً جنوباً چند (کل چار عدد) چوکور عمارت کی پسلی پر ایستادہ گنبد وسطی ایشیا اور افغانستان (ثمرقن اور ہرات) دو دروازوں پر اور دو چھتوں پر کی مختلف مساجد اور مزارات پر تعمیر گنبدوں سے ہو بہو مشابہت رکھتے ہوئے اُن کی یاد دلاتے ہیں۔ ان گنبدوں میں سے کسی ایک پر بھی نیلی ٹائیلوں کے نشانات موجود نہیں ہیں جو کسی زمانے میں ان کا خاصہ تھے۔

سرائے چھیمبہ کا ہر کونہ ہشت پہلو محافظی پوسٹ لیے ہوئے ہے۔ جس سے یہاں کا دفاعی نظام نکھر کر سامنے آتا ہے۔

مسافروں کے جانور جس طویل سلسلہ وار عمارت میں ٹھہرائے یا باندھے جاتے تھے، وہ آج کل جدید طرز کی گلیوں پر مشتمل عمارات میں گھری ہوئی ہے۔

بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ موجود کمرے مقامی راجپوت آبادی کے زیرِ استعمال ہیں، کیونکہ سرما میں گرم اور گرما میں ٹھنڈے رہتے ہیں۔

جدھر نگاہ دوڑائیں سرائے میں مزید کمروں کا اضافہ کرنے کے لیے کی گئی لاتعداد تبدیلیاں اور بہتریاں نظر آتی ہیں۔ حتیٰ کہ دو سال قبل چھتوں پر نئے کمرے تعمیر کرنے کے لیے ثمرقند، ہرات اور بخارا کے مشابہ مینار تک گرا دیے گئے۔ مغلوں کے زمانے کی اینٹیں، چونا (Lime & Mortar) آج بھی گرائے گئے میناروں کی جگہ پر پڑے ملتے ہیں۔ مقامی آبادی کو اس جگہ کی تاریخی اہمیت کا نہ تو اندازہ ہے نہ ہی اس سے انہیں کوئی سروکار، وہ صرف بڑھتی آبادی اور شہری سہولیات میں اضافے پر توجہ مرکوز کیے ہوئے ہیں۔

ریل گاڑی اور لاری، موٹر کار وغیرہ کی ایجاد کے بعد پیدل، گھوڑوں یا ہاتھیوں پر سفر تو متروک ہوا ہی اور سراؤں کی اہمیت اور ضرورت میں بتدریج کمی آتی گئی۔ تقسیم ہندو پاکستان کے بعد مہاجرین کی اس علاقہ میں ہجرت کے بعد لوگوں نے اس سرائے پر ذاتی رہائش گاہوں کے طور پر اپنے ڈیرے جمالیے جو آج تک جاری ہیں۔

1580ء میں تعمیر شدہ یہ سرائے ''زیرِ حفاظت آثارِ قدیمہ'' تو ہے لیکن مسلسل بڑھتی آبادی، بے ضابطہ شہر سازی، کرنال اور روہتک سے آنے والے راجپوت مہاجرین کی آبادکاری اور یہاں کی ثقافت، تاریخ سے چشم پوشی جیسے امور کی وجہ سے یہ برائے نام ہی ''محفوظ'' ہے۔

قدیم روایت کا دلکش میلہ

سرزمین ہند اپنے اندر کئی اسرار چھپائے صدیوں سے غیروں کے لیے ایک معمہ بنی ہوئی ہے۔ یہاں موجود دیوی دیوتاؤں کے مسکن اور پھر رنگارنگ تہوار مناتے ان کے ہزاروں پجاری ایک عجب سماں پیدا کرتے ہیں۔ بھارتی ریاست راجھستان اپنی سرخ مٹی اور رنگارنگ کردار کے لوگوں سے بھری پڑی ہے۔ یہاں موجود ایک چھوٹا اور خوب صورت شہر پشکار موجود ہے جو تین اطراف سے پہاڑوں اور ایک طرف سے ریتیلی زمین سے گھرا ہوا ہے۔ اسی باعث یہ شہر ہر برس نومبر کے اواخر میں منعقد ہونے والی مذہبی تقریبات اور جانوروں کی منڈی کے طور پر مقبول ہے جو بین الاقوامی طور پر اپنی پہچان بنا چکا ہے اور یہاں ہر برس ہزاروں سیاح دوسرے ممالک سے آتے ہیں۔ روایت یہ ہے کہ رام نے اپنے مخالف کو یہاں پر کنول کے پھول سے مار ڈالا تھا، جس کے نتیجے میں یہاں ایک جھیل قائم ہوگئی۔ اس کے گرد پانچ سو کے قریب مندر اور پچاس کے قریب محلات قائم تھے۔ بعدازاں ہر ہندو راجہ اور مہاراجہ نے یہاں اپنا محل بنوانا فرض سمجھا، جن کے آثار ہمیں کہیں کہیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس جگہ کو ماہر آثارِ قدیمہ اور آرکیالوجی کے شائقین کے لیے جنت کہا جاتا ہے، جبکہ جھیل میں سیاح کشتیوں کی سیر سے لطف اندوز ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں جانوروں کی منڈی میں ہندوستان بھر سے ہر نسل کے اونٹ لائے جاتے ہیں جن کی خرید و فروخت کے لیے بہت بڑا بازار سجتا ہے۔ اس بازار میں لوگوں کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے یہاں راجھستان کے خوب صورت کلچر کو بھرپور انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ مقامی مرد و خواتین اپنے مخصوص لباس کے ساتھ مختلف ٹولیوں میں گیت گاتے اور کھیلوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہیں پر اونٹوں کی ریس کا بھی میدان جمتا ہے جو سیاحوں کے لیے نہایت دلچسپی کا حامل ہے اور وہ ان پر شرطیں لگانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ اونٹوں کو خوب صورت اور منفرد انداز سے سجانے کی روایت بھی موجود ہے۔ ان پر مہندی کے ساتھ مختلف اشعار اور مذہبی نعرے لکھے جاتے ہیں۔ ان کو خوب صورت نکیلیں ڈالی جاتی ہیں اور پھر ان کو خریدنے کے متمنی ان کو ٹھوک بجا کر تسلی کرتے ہیں کہ وہ مال تو اچھا خرید رہے ہیں۔ یہاں پر آئے سیاحوں کو زیادہ دلچسپی اونٹوں پر سیر کرنے کی ہوتی ہے اور وہ تھوڑے سے پیسے دے کر اس دلچسپ سواری کا بھرپور حظ اٹھاتے ہیں۔ علاوہ ازیں پشکار کو شاپنگ کے شوقین افراد کی جنت کہا جاتا ہے یہاں کے مختلف انداز کے زیور، ٹیکسٹائل کا سامان، کھا گھرے اور نرم و ملائم کمبل پسند کیے جاتے ہیں۔

عجائباتِ عالم

بہروپ کا تہوار

(ہیلوین فیسٹول)

دنیا کے مقبول تہواروں میں سے ایک ''ہیلو ین'' ہے جو ہر برس 31 اکتوبر کو منایا جاتا ہے۔ صدیوں پہلے روم سے شروع ہونے والی یہ روایت آج امریکا، یورپ سے نکل کر ایشیا بشمول پاکستان تک میں آپہنچی ہے۔ اس دن مختلف پروگرامز کا انعقاد کیا جاتا ہے، جس میں تمام لوگ مختلف کاسٹیوم پہن کر اور طرح طرح کے بہروپ بنا کر آتے ہیں اور خوب محظوظ ہوتے ہیں۔ کیا بچے کیا بوڑھے، عجب رنگ ڈھنگ کی بدولت پہچانے نہیں جاتے اور شاید یہی اس تہوار کی مقبولیت کی اہم وجہ بھی ہے۔

اگر اس تہوار کی تاریخ دیکھی جائے تو اس کی کئی روایات سامنے آتی ہیں مگر سب سے قابل بھروسہ روایت یہی ہے کہ اس کا آغاز روم میں سردیوں کی آمد کے تہواروں کے ساتھ ہوا۔ 31 اکتوبر کو کھانے کی دعوت کا اہتمام کیا جاتا تھا، جہاں تمام لوگ بھوتوں اور چڑیلوں کے حلیے بنا کر آتے تاکہ وہ آسمان سے اترنے والی بلاؤں کو خود سے اور اپنے تہواروں سے دور رکھ سکیں۔ اس طرح یہ روایت آہستہ آہستہ عیسائی مذہب میں داخل ہو کر ایک باقاعدہ تہوار کا روپ دھار گئی۔ ہمیں اس کا سب سے پہلا ذکر دسویں صدی کی ایک عیسائی مذہبی کتاب میں ملتا ہے۔

ہیلوین کا نشان سب سے منفرد مانا جاتا ہے۔ اس میں ایک کدو کو اندر سے خالی کر کے، اس کے چھلکے پر آنکھ، ناک اور ہونٹ بنا دیے جاتے ہیں جبکہ ایک تکون کی شکل کی لمبوتری ٹوپی اس کے سر پر رکھ دی جاتی ہے۔ اس دن کے حوالے سے کاسٹیوم تیار کرنا بھی باقاعدہ ایک صنعت کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

زیادہ تر ملبوسات غیر ماورائی مخلوق کی ماہیت کے بنائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہیلوین پر مختلف کھیلوں کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے جن کو لوگ ذوق وشوق سے کھیلتے ہیں۔

"ہیلوین" کے موقع پر زیادہ تر روایتی کھانا میٹھے پر مشتمل ہوتا ہے جن میں سیب کی کئی ڈشز تیار کی جاتی ہیں۔

فن وثقافت کا رنگارنگ میلہ

اسکاٹ لینڈ کے دارالحکومت ایڈنبرا میں دنیا کا سب سے بڑا فن وثقافت کا تہوار میلہ "فرنج فیسٹیول" اگست کی بارہ تاریخ سے شروع ہوتا ہے۔ 258 مقامات پر 2,547 تقریبات پر مشتمل ایڈنبرا فرنج میں پرفارمنگ آرٹ سے متعلق ایونٹ منعقد کیے جاتے ہیں۔ اس تہوار میں دنیا بھر سے فنکاروں کو شہر کے بڑے مقامات پر اپنا ثقافتی فن پیش کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اگرچہ فرنج فیسٹیول میں کلاسیکی میوزک کی تقریبات، اوپرا اور دیگر بڑے پیمانے پر کیے جانے والے تھیٹر پروگراموں کو منعقد کیا جاتا ہے لیکن دی فرنج کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی عام شخص شرکت کر کے اپنے ثقافتی فن کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ تہوار میں اس سال پہلی مرتبہ "کیبرے ڈانس" کے لیے بھی ایک حصہ رکھا گیا ہے۔ اس تہوار میں ڈانس میراتھان نامی تقریب بھی منعقد کی جاتی ہے۔ جو بغیر رُکے مسلسل ڈانس کرتے رہنے کا مقابلہ ہے۔

ملکہ کے نام ایک تہوار

ہالینڈ میں ہر برس ایک اہم تہوار 30 اپریل کو منایا جاتا ہے۔ انگریزی زبان میں اس کو کوئینز ڈے (ملکہ کا دن) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ ڈچ زبان میں یہ Koninginnedag کہلاتا ہے۔ 1885ء سے منائے جانے والے اس تہوار کو ہالینڈ کی ملکہ بیٹرکس کی سالگرہ کے دن بطور چھٹی منایا جاتا ہے۔ اس منفرد تہوار کے لیے نارنجی رنگ مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ یہ ہالینڈ کے شاہی خاندان کا سرکاری رنگ ہے۔ اس دن ہالینڈ کے دارالحکومت ایمسٹرڈیم میں کینوؤں کے ساتھ کئی طرح کے فلوٹس تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ فلوٹ کبھی شاہی محل کی شکل میں ہوتے ہیں تو کبھی ان سے انسانی مجسمے تیار کیے جاتے ہیں۔ اس دن کی مناسبت سے ڈچ قوم اپنی ملکہ سے عقیدت کے لیے نارنجی رنگ کے ملبوسات پہنتے ہیں اور ساحل سمندر پر جمع ہو کر مختلف کھیل کھیلتے ہیں۔ ان میں دلچسپ مقابلے ہوتے ہیں جس کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑے کنسرٹ کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہاں تھیٹر پر بھی خوب صورت کھیل پیش کیے جاتے ہیں۔ "کوئینز ڈے" نامی یہ تہوار اب ہالینڈ کی ایک اہم پہچان بن چکا ہے۔ جس میں حصہ لینے کے لیے یورپ بھر کے سیاح یہاں کا رخ کرتے ہیں۔

موت سے پنجہ آزمائی

(سان فرمن فیسٹیول)

دنیا میں منعقد ہونے والے اہم میلوں میں سے ایک یونان کے شہر پمپلونا میں "سان فرمن فیسٹیول" کے نام سے منعقد کیا جاتا ہے۔ 6 جولائی سے 14 جولائی تک سجنے والے اس میلے میں زور آور اور بپھرے ہوئے بیل (بُل) گلیوں میں کھلے چھوڑ دیے جاتے ہیں جن کے سامنے ایڈونچر کے شائقین افراد کا جم غفیر بھاگ رہا ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ جان جوکھوں کا کام ہے کیونکہ ان طاقتور اور غصیلے بیلوں کی ایک ٹکر یا ٹانگوں تلے روندے جانا موت کا ساماں کر جاتا ہے۔ بہر حال یہ مجمع، گلیوں کوچوں میں ان بیلوں کے سامنے دوڑتے ہوئے اُن کو ایک بڑے میدان (بُل

رنگ) میں لے آتا ہے، جہاں پر ہزاروں افراد کے سامنے پروفیشنل بُل فائٹرز ان بیلوں کو للکارتے ہیں۔ یہاں سے شروع ہوتا ہے دنیا کا دلچسپ لیکن خطرناک ترین مقابلہ کا جس میں بُل فائٹر کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں موجود نوکیلے تیروں سے بیل کو کچوکے لگاتا رہے حتیٰ کہ زیادہ خون بہنے کے باعث وہ ادھ موا ہو کر زمین پر گر پڑے۔ دوسری جانب بُل بھی کسی سے کم نہیں ہوتے اور وہ ہر ممکن انداز سے اپنے مخالف کا مقابلہ کرتے ہیں اور ان پر تابڑتوڑ حملے کرتے ہیں، جس سے کبھی کبھار بُل فائٹر کو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اس دلچسپ اور خونی مقابلوں میں سخت قوانین نافذ کیے جاتے ہیں تا کہ کسی کی جان لاپروائی کے باعث ضائع نہ ہو جائے۔

رنگوں اور خوشیوں کا میلہ

خوش مزاج لوگ، بہترین رقص، عمارتوں کی شاندار طرز تعمیر، بُل فائٹنگ اور قدیم وجدید تہذیب کا حامل ملک اسپین، اپنی رنگا رنگ ثقافتی زندگی کے حوالے سے ہمیشہ سیاحوں کی جنت کہلاتا ہے۔ یہاں ہر دوسرے ماہ کوئی نہ کوئی تہوار یا میلہ ضرور سجایا جاتا ہے جن میں حصہ لینے کے لیے مقامی افراد کے علاوہ غیر ملکی سیاحوں کی ایک بڑی تعداد بھی پہنچتی ہے۔ ایسا ہی ایک دلچسپ میلہ اسپین کے شہر سیوائل میں مئی کے مہینے میں چھ دنوں کے لیے سجایا جاتا ہے جس کو "سیوائل فیئر" کہتے ہیں۔ 1847ء سے جاری رہنے والے اس میلے میں سیوائل شہر کے اطراف میں مختلف ڈیزائنوں اور رنگوں کے ساتھ تیار کیے گئے خیموں کی مدد سے ایک پوری بستی آباد کی جاتی ہے۔ رات کو روشنی کے انتظام کے لیے یہاں ہزاروں کے قریب برقی قمقمے لگائے جاتے ہیں۔ میلے کا آغاز خوب صورت بگھیوں اور ان پر قدیم زمانے کے کاسٹیوم پہنے افراد کی پریڈ کے ساتھ ہوتا ہے جو بُل

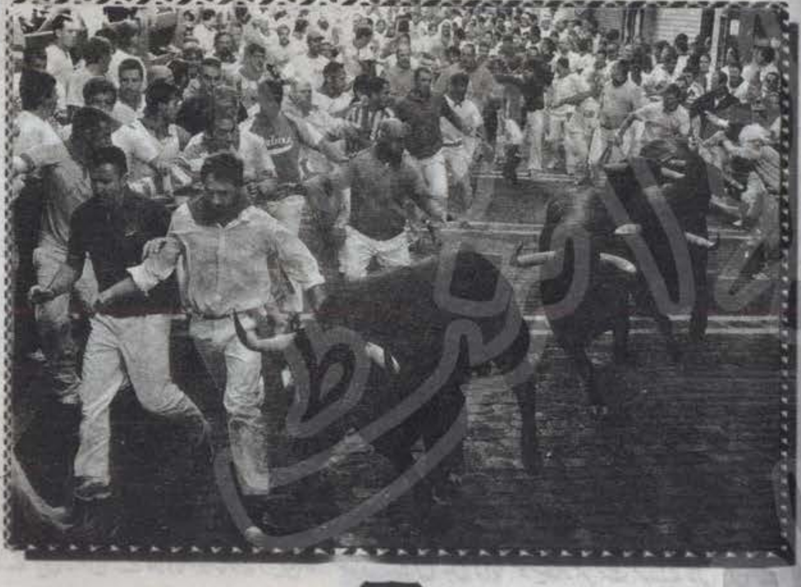

فائننگ دیکھنے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ یہاں ایک باقاعدہ بازار سجایا جاتا ہے جن میں مختلف طرز کی مصنوعات اور کھانے پینے کی اشیاء کی فروخت کی جاتی ہے۔ دن کے بیشتر وقت لوگ خوب صورت کاسٹیوم پہنے ان بازاروں سے چیزیں خریدتے اور مختلف مقامات پر سجائی گئی پرفارمنگ آرٹس کی محفلوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کی ایک بڑی تعداد سالسہ موسیقی کے ساتھ جھومتی گاتی تفریح کرتی ہے۔ رات ہوتے ہی خیموں کا یہ شہر روشنیوں سے جگمگا اٹھتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے شب میں دن نکل آیا ہو۔

رنگ اور سُر تال کے ساتھ رقص

مئی کے اختتام اور جون کے آغاز میں منعقد ہونے والا ''کوپن ہیگن فیسٹیول'' ڈنمارک کے دارالخلافہ میں ہر برس منعقد کیا جاتا ہے۔ اس رنگا رنگ میلے میں دو لاکھ سے زائد افراد حصہ لیتے ہیں جو اس کے روایتی سامبا رقص اور موسیقی کی محفلوں سے بھرپور انداز میں محظوظ ہوتے ہیں۔ یہ رقص، پریڈ کی صورت میں کیا جاتا ہے جہاں لوگ گروپس کی صورت میں آتے ہیں اور اپنی پرفارمنس دے کر چلے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ملبوسات رنگین اور منفرد انداز کے ہوتے ہیں جس سے ایک خوب صورت سماں بندھ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس فیسٹیول میں مختلف تھیٹرز کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے جہاں پر طرح طرح کے ڈرامے اور میوزیکل ڈرامے پیش کیے جاتے ہیں۔ رات کے وقت اس میلے کا سماں ہی بدل جاتا ہے پورے شہر میں سجاوٹ کی رنگ برنگ روشنیاں آنکھیں چندھیا دیتی ہیں جبکہ آدھی رات ہوتے ہی یہ بتیاں گل کردی جاتی ہیں اور آسمان پر آتش بازی کا شاندار مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

موسیقی اور رقص میں جھلملاتے رنگ

(روما ورلڈ فیسٹیول)

جون کی آمد کے ساتھ ہی سورج کی تپش جینا محال کر دیتی ہے لیکن وہیں دنیا کے کچھ حصوں میں، یہ مہینہ معتدل موسم لاتا ہے جس کے نتیجے میں کئی طرح کے فیسٹیول سجائے جاتے ہیں۔ انہی میں سے ایک رومانی فیسٹیول ہے جو کہ ہر برس جون کے آغاز میں ریاست چیک ری پبلک کے شہر پراگ میں منعقد ہوتا ہے۔ یہ میلہ بنیادی طور پر موسیقی کے گرد گھومتا ہے جس میں روما موسیقار شرکت کرتے ہیں جن سے

مراد خانہ بدوش موسیقاروں سے لیا جاتا ہے۔ پانچ دن کے اس میلے میں پریڈ کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں موسیقی اور بھرپور رقص ہوتا ہے۔ خواتین بڑے بڑے روایتی اور رنگین اسکرٹس پہنتی ہیں اور ان کو جھلاتی ہوئی اپنا روایتی ڈانس کرتی ہیں۔ اس میلے میں یورپ بھر سے لاکھوں سیاح شرکت کے لیے آتے ہیں اور اس دلچسپ پریڈ کا حصہ بنتے ہیں۔

گیت، پانی اور سرمستی

(تھائی لینڈ کا منفرد تہوار)

تھائی لینڈ کی سرزمین ایک ایسی جادو کی نگری ہے جو اپنی ثقافت، تہذیب اور خوب صورتی میں قدرت کی فیاضی سے مالا مال ہے۔ ندیوں، دریاؤں اور سمندر میں گھرا یہ ملک اپنے اندر جنگلوں کی صورت میں سبزے کے کئی قطعات رکھتا ہے، جہاں ہر نسل کے جنگلی حیوانات پائے جاتے ہیں۔ اپنی روایات کے حوالے سے بھی تھائی لینڈ منفرد ہے، یہاں کے لوگ زندہ دل اور ہنس مکھ ہیں۔ وہ اپنے سال نو کا آغاز اپریل، مئی کے درمیان کرتے ہیں اور اس کو ایک انوکھے انداز سے مناتے ہیں۔ تمام لوگ نئے کپڑے پہنے مقامی مندروں کا رخ کرتے ہیں اور مذہبی رسومات کی ادائیگی کے بعد اپنے بڑوں سے مل کر ان کی دعائیں حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد تمام نوجوان اپنا رخ گلیوں اور سڑکوں کی جانب موڑتے ہیں، جہاں وہ دنیا کی سب سے بڑی پانی کی لڑائی میں حصہ لیتے ہیں۔ اس رسم کو ''سونگ کران'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان دنوں میں لوگ پک اپ وین پر سوار یا پیدل چلتے ہوئے بھی ایک دوسرے پر پانی کی برسات کرتے نظر آتے ہیں۔ اس دن کوئی شخص گیلا ہوئے بغیر گھر واپس نہیں آسکتا۔ بڑوں پر پانی پھینکنے کے لیے ان سے پہلے اجازت طلب کی جاتی ہے اور پھر ان کو بھی پانی میں نہلا دیا جاتا ہے۔

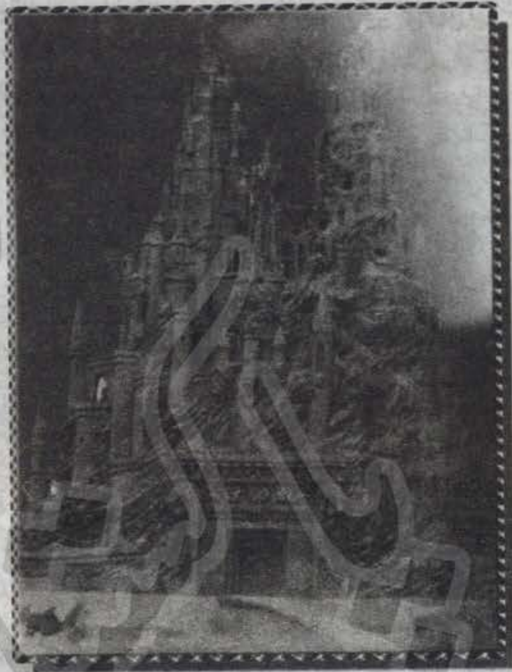

چھوٹے بچے اپنی رنگ برنگی پانی کی بندوقیں پکڑے ہوئے ایک دوسرے پر پانی برساتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کئی جگہ پر ہاتھی بھی اپنی سونڈ کے ذریعے پانی کی بوچھاڑ سے گزرنے والوں کو گیلا کر رہے ہوتے ہیں۔

ہر طرف خوشی اور شادمانی کی ایک کیفیت ہوتی ہے جو ہر بشر کے چہرے پر نظر آتی ہے، ایک طمانیت اور سرخوشی کے عالم میں منایا جانے والا یہ میلہ لوگوں کو ان کی روزمرہ زندگی کے مسائل سے دور لے جاتا ہے اور ایک دوسرے کے قریب لاکر برداشت اور محبت کا مادہ پیدا کرتا ہے۔ برف ملا پانی جب کسی پر پھینکا جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کے چہرے پر سفید رنگ کا ایک پاؤڈر بھی مل دیا جاتا ہے، نعروں او چیخوں کے ساتھ سال نو کی مبارک باد دی جاتی ہے۔ گلیوں اور چوکوں پر کھانے پینے کا وافر انتظام ہوتا ہے جبکہ رات ہوتے ہی مشعل بردار جلوس گلیوں کا رخ کرتا ہے، جس کے ساتھ لوگوں کی ایک بڑی تعداد گاتے بجاتے شامل ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہر برس سیاحوں کی ایک بڑی تعداد یہ میلہ دیکھنے کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرتی ہے اور خوشی و شادمانی کے اس تہوار سے لطف اندوز ہوتی ہے۔

روشنی کی کہکشاں اور موسیقی

(گلاسٹون بری فیسٹیول)

"گلاسٹون بری فیسٹیول" برطانیہ کا ایک اہم پرفارمنگ آرٹس میلہ ہے جس میں پیش کیے جانے والے گانے، رقص، کامیڈی، تھیٹر، سرکس اور کیبرے

اس کی مقبولیت کا باعث ہیں۔ ہر برس جون کے آخری ویک اینڈ پر پانچ روز کے لیے منعقد ہونے والا یہ میلہ برطانیہ کی اکانومی کو سالانہ سو ملین پاؤنڈ کا فائدہ پہنچاتا ہے۔ رواں برس پیش کیے جانے والے اس میلے میں ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ اسی ہزار افراد کا اجتماع دیکھنے میں آیا جس میں پرفارمنگ آرٹس سے متعلق 365 ایونٹس پیش کیے گئے۔ اس میلے میں 80 اسٹیج تیار کیے گئے تھے تا کہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد بیک وقت منعقد ہونے والے پروگرامز کا مزا اٹھا سکے۔ اس میلے میں سب سے زیادہ انتظار میوزک کنسرٹس کا ہوتا ہے اور رواں برس یوٹو، کولڈ پلے، بیونسے اور بی بی کنگ جیسے سپر اسٹارز کی پرفارمنس موسیقی کے شعبے میں رکھی گئی تھیں۔ خوب صورتی سے سجائے گئے اسٹیج پر روشنیوں کی کہکشاں میں جب موسیقاروں نے اپنے ساز چھیڑے اور گلوکاروں نے اپنے فن کا سحر بکھیرا تو شائقین فرطِ مسرت سے ان کے ساتھ جھومنے اور ناچنے لگے۔ میڈیا نے ان کنسرٹس کو ٹی وی چینلز پر براہ راست پیش کیا، جن کو گھر بیٹھے کروڑوں شائقین نے بھی دیکھا۔

موسیقی کے علاوہ گلاسٹون بری فیسٹیول میں رقص جن میں ٹینگو اور کیبرے شامل تھا لوگوں کی بھرپور توجہ کا مرکز بنا رہا۔ اس میلہ میں باقاعدہ مقابلوں کا انعقاد کیا گیا، جن میں پروفیشنل ڈانسرز کے علاوہ عام لوگوں نے بھی حصہ لیا۔ اس میلے کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب گزشتہ برس اس کی ایک لاکھ اسی ہزار ٹکٹوں کی فروخت انٹرنیٹ کے ذریعے شروع کی گئی تو محض تین گھنٹوں کے اندر یہ تمام ٹکٹس بک ہو چکی تھیں۔ پانچ دہائیوں سے منعقد ہونے والے اس میلے نے جس خوبی سے آرٹ کی خدمت کی ہے، اس کے معترف اقوام متحدہ کے علاوہ دنیا بھر میں پرفارمنگ آرٹ کے شائقین بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ گلاسٹون بری فیسٹیول کو دنیا کے مختلف ممالک میں بھی منعقد کیا جائے تا کہ اس سے زیادہ لوگ فیض یاب ہوسکیں۔

راکاپوشی

نگر قرار کے سینے میں آباد پاکستان کا وہ علاقہ جسے قدرت نے عجائبات و مناظر کا ایک اچھوتا امتزاج عطا کیا ہے۔ بلند و بالا برف پوش چوٹیاں، شفاف پانی کی ندیاں، اپنی نوعیت کے منفرد ترین گلیشیئر، گھنے جنگلات، سبزہ زار اور آبشاریں، یہ تمام اجزا جو کسی بھی خواب ناک خوب صورتی کی عکاسی کر سکتے ہیں نگر کو عطا ہوئے ہیں۔ انہی علامات حسن میں اپنی خوب صورتی میں بے مثال پہاڑی چوٹی جسے دنیا کی خوب صورت ترین چوٹیوں میں شمار کیا جاتا ہے "راکاپوشی" ہے۔

راکاپوشی کی بلندی سات ہزار سات سو اٹھاسی میٹر (25550 فٹ) ہے اور یہ پاکستان میں واقع بلند ترین چوٹیوں میں گیارہویں نمبر پر ہے۔ گو دنیا میں اس سے بلند چوٹیوں کی تعداد چھبیس ہے لیکن اسے یہ انفرادیت حاصل ہے کہ گلمت (شاہراہ قراقرم، نگر) کے مقام سے اسے دیکھا جائے تو یہ دنیا کی سب سے بلند غیر منقطع شدہ ڈھلوان ہے۔ اس مقام پر آپ کی سطح سے لے کر راکاپوشی کی چوٹی تک ایک متواتر چڑھائی ہے جس کی اونچائی پانچ ہزار آٹھ سو اڑتیس میٹر ہے۔ جبکہ گلمت ہی سے اس کی چوٹی تک کا فاصلہ گیارہ کلومیٹر ہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی اور مقام کو حاصل نہیں۔ راکاپوشی پہاڑ کی چوڑائی بھی غیر معمولی ہے اور مشرقی سمت سے لے کر مغربی سمت تک اس کا عرض 20 کلومیٹر تک ہے۔

راکاپوشی تک جانے کے لیے گلگت پہلی منزل ہے۔ جو پاکستان کے شمالی علاقہ جات کا صدر مقام ہے اور شمالی علاقہ جات کے اکثر علاقوں تک پہنچنے کے لیے نقطہ آغاز بھی۔ گلگت کا رقبہ 38021 مربع

کلومیٹر ہے۔ اور دنیا کے مشہور مقامات مثلاً شندور، یاسین، غذر، اشکومن، نلتر، استور، ہنزہ اور نگر وغیرہ کے مشہور علاقے گلگت میں ہی واقع ہیں۔ گلگت کے شمالی مغرب میں واخان جو کہ افغانستان کی ایک باریک پٹی ہے جس کی دوسری طرف تاجکستان واقع ہے۔ شمال اور شمال مشرقی اطرف میں چین کا صوبہ سنکیانگ، شمال مشرق میں مقبوضہ کشمیر اور شمال میں آزاد کشمیر واقع ہیں۔ گلگت میں زیادہ بولی جانے والی زبان شنیا ہے جبکہ بروشسکی زبان ہنزہ، نگر، واخی اور خواڑی زبانیں بھی گلگت کے اکثر علاقوں میں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔

گلگت سے مختلف گاڑیاں نگر اور ہنزہ کے لیے ہر وقت دستیاب ہیں اور علی آباد تک پہنچاتی ہیں۔ علی آباد ہنزہ اور نگر دونوں علاقوں کے لیے آسان اور عین شاہراہ قراقرم پر واقع مقام ہے لیکن راکاپوشی تک پہنچنے کا راستہ علی آباد سے پہلے ہی ایک گاؤں پسن سے ہے۔ اگر چہ راکاپوشی جو کہ پہاڑی چوٹیوں کا ایک سلسلہ بھی ہے، کئی راستوں سے سیاحوں کی پہنچ میں ہے لیکن سب سے مشہور اور خوب صورت راستہ پسن اور میناپن گاؤں سے ہی گزرتا ہے۔ سیاحت کا موسم دیگر شمالی علاقہ جات کی طرح یہاں بھی مئی سے شروع ہو کر ستمبر کے آخر میں ختم ہو جاتا ہے لیکن جون سے پہلے زیادہ بلند علاقوں میں برف مکمل طور پر نہیں پگھلی ہوتی اور بعض جگہوں پر سفر میں مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔

خوراک اور دیگر ضروری سامان گلگت، ہنزہ اور نگر کے بازاروں میں عام طور پر دستیاب ہے جبکہ پسند اور میناپن وغیرہ سے آٹا، دال، چاول اور بنیادی خوراک کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ مناسب ترین طریقہ مکمل تیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ تمام ضروری سامان اپنے ساتھ لانا ہی ہے جو کہ دوران سفر ——— غیر ضروری وزن، وقت اور اخراجات میں معاون ثابت ہوگا۔ اس سفر میں تیز رفتار و پرشور دریائے میناپن ماخذ میناپن گلیشیئر تک چلتا ہے۔ دریائے میناپن میں برف کے چھوٹے بڑے ٹکڑے بھی گلیشیئر سے پانی کے ساتھ آتے ہیں اور گاؤں کے بچے تواضع کے طور پر سیاحوں کو پیش کرتے ہیں۔ دو سے تین گھنٹے کی مسافت کے بعد راستے میں پتھروں سے بنے چھوٹے چھوٹے مکانات نظر آتے ہیں جہاں میناپن گاؤں سے گرمیوں کا موسم گزارنے والے چند خاندان آباد ہیں۔ یہ لوگ گرمیوں کے موسم میں گاؤں کے پالتو جانوروں کی افزائش، خوراک اور ان سے حاصل کردہ دودھ سے مکھن، پنیر، گھی اور لسی وغیرہ تیار کرتے ہیں اور ٹھنڈی ندیوں کے ساتھ زمین میں گڑھے بنا کر محفوظ کرتے رہتے ہیں۔

تمام سفر میں نہایت حسین اور دلچسپ مناظر ایک لمحہ کے لیے بھی سیاحوں کی توجہ کسی اور جانب منتقل نہیں ہونے دیتے۔ اسی راستے پر نہایت دل فریب مناظر آپ کو اپنے پاس بہت دیر تک رکنے پر مجبور کرتے ہیں اور طبیعت میں آسودگی و لطافت کا باعث بنتے ہیں۔ چند منٹ بعد ایک تنگ اور مشکل راستے سے گزرتے ہوئے سیاح اچانک ایک تاحد نگاہ وسیع عریض جنت نظیر سبزہ زار میں داخل ہو جاتے ہیں اور سکون کا احساس ماحول کی پرکیف فضا میں ڈھل کر آپ کے تمام وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ وسیع و عریض ڈھلوانی سبزہ زار جو کہ اپنی اونچائی کی سمت ایک گھنے جنگل سے شروع ہو کر گھاس اور پھولوں سے مزین، شفاف پانی کے ٹھنڈے چشموں سے آراستہ ایک بڑے رقبے کا احاطہ کرتے ہوئے گہرائی میں میناپن گلیشیئر کی سلیٹی مائل سطح پر ختم ہوتا ہے۔ سیاح عموماً اس مقام پر جو کہ ہپاکن کہلاتا ہے کم از کم ایک دن ضرور قیام کرتے ہیں۔